مئی ۱۹۹۴ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

● **نیو ورلڈ آرڈر، مسئلہ کشمیر اور ہماری خارجہ پالیسی**

مسئلہ کشمیر سے متعلق سیمینار میں امیر تنظیم اسلامی کا صدارتی خطاب

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

خوشبودار کیمیکل

مختلف اقسام کے عطریات' اگر بتی' صابن وغیرہ کی صنعتوں کے لئے عوامی جمہوریہ چین سے خوشبو دار کیمیکل (پرفیومری' کیمیکل) در آمد کرنے کے خواہش مند حضرات رابطہ کریں۔

ربی ٹریڈنگ کمپنی (پرائیویٹ) لمیٹڈ

پوسٹ بکس نمبر 238' کراچی 74200

نماز قائم کریں' اسی میں نجات اور سکون ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اُوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد :	۴۳
شمارہ :	۵
ذوالقعدہ۔ذوالحجہ ۱۴۱۴ھ	
مئی	۱۹۹۴ء
فی شمارہ	-/۷
سالانہ زرِتعاون	-/۷۰

سالانہ زرِتعاون برائے بیرونی ممالک

برائے سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات اور بھارت	۲۵ سعودی ریال یا ۱۲ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک جاپان وغیرہ۔	۱۶ امریکی ڈالر
شمالی و جنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔	۲۰ امریکی ڈالر
ایران، عراق، اومان، مسقط، ترکی، شام، اردن، بنگلہ دیش، مصر	۹ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰۔ فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴-۸۵۶۰۰

سب آفس: ۱۱۔ داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرض احوال ____ ۳

حافظ عاکف سعید

☆ تذکرہ و تبصرہ ____ ۵

نیو ورلڈ آرڈر، مسئلہ کشمیر اور ہماری خارجہ پالیسی

تحریک خلافت کے زیر اہتمام کشمیر سیمینار میں امیر تنظیم اسلامی کا صدارتی خطاب

☆ الہدیٰ (قسط:۹۱) ____ ۲۵

مدنی دور کے آغاز میں اہل ایمان کو پیشگی تنبیہہ (۲)

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ تفکر و تدبر ____ ۳۳

"نیو ورلڈ آرڈر" کی اصل حقیقت

اور ــــ مسیحِ دجّال کا خروج

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ حجاب نسواں ____ ۶۰

"دل کا پردہ" ــــ ایک مغالطہ آمیز اصطلاح

سید مظہر علی ادیب

☆ رفتار کار ____ ۶۵

◐ "TINA" کی تشکیل نو اور نیویارک، نیو جرسی تنظیم کی کارکردگی کا جائزہ

◐ ابوظبی میں سہ روزہ تربیت گاہ کا انعقاد

○◯○

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

تحریک خلافت پاکستان کے زیر اہتمام مسئلہ کشمیر پر سیمینار 'حسب اعلان' ۳۱ مارچ کو قرآن آڈیٹوریم لاہور میں ہوا۔ اس اہم مسئلے پر اظہار خیال کے لئے اہل سیاست اور اہلِ دانش میں سے متعدد افراد کو مدعو کیا گیا تھا گو سیاست دان حضرات میں سے اکثر اپنا وعدہ وفا نہ کر سکے تاہم جن صحافی اور دانشور حضرات کو سیمینار میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی وہ سب تشریف لائے اور کھچا کھچ بھرے آڈیٹوریم میں جہاں پورا مجمع ہمہ تن گوش بر آواز تھا' اس اہم قومی مسئلے پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ اس سیمینار میں جن مہمان مقررین نے خطاب کیا ان میں حافظ حسین احمد' جناب زیڈ اے سلہری' جناب محمود مرزا' جناب مجیب الرحمٰن شامی اور کموڈور طارق مجید صاحب شامل تھے۔ میزبان کی حیثیت سے تحریک خلافت پاکستان کے ناظم اعلیٰ جناب جنرل (ریٹائرڈ) ایم ایچ انصاری صاحب نے آغاز میں اس مسئلے کی اہمیت اور اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور فاضل مقررین کو دعوت دی کہ وہ اس اہم قومی مسئلے میں قوم کی رہنمائی کریں۔ امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد جن کی زیر صدارت یہ سیمینار ہوا' کا مفصل خطاب سب سے آخر میں تھا۔ اس سیمینار کی مفصل رپورٹ جس میں مقررین حضرات کے خطابات کا خلاصہ بھی شامل ہے "ندائے خلافت" کے ۱۱/ اپریل کے شمارے میں شائع کی جاچکی ہے لہٰذا یہاں اس کی تفصیل بیان کرنا ہم غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ تاہم قارئین میثاق کا ہم یہ حق سمجھتے ہیں کہ اس نہایت اہم قومی مسئلے کے ضمن میں امیر تنظیم اسلامی کے نقطہ نظر اور موقف سے انہیں بھی آگاہ کیا جائے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر ہم نے زیر نظر شمارے میں امیر تنظیم کے خطاب کو مکمل صورت میں شائع کر دیا ہے۔

اس خطاب میں خارجہ پالیسی اور بالخصوص بھارت کے ساتھ تعلقات کے ضمن میں امیر تنظیم نے جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ ممکن ہے بعض حضرات کے لئے نئی ہو اور وہ یہ خیال کرتے ہوں کہ امیر تنظیم نے اچانک یہ انوکھا موقف اختیار کیا ہے' لیکن امیر تنظیم کے قریبی حلقے اس امر سے باخبر ہیں کہ وہ ایک عرصے سے ان خطوط پر سوچتے رہے ہیں۔ اور ان

کی یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ ہمیں مستقلاً امریکہ کے گھڑے کی مچھلی بنے رہنے اور ایک ہی رخ پر سوچنے کی بجائے کچھ اور امکانات کو بھی سامنے رکھنا چاہئے اور بالخصوص بھارت کے ساتھ اپنے تعلقات کے معاملے میں سنجیدگی سے نظرثانی کرنی چاہئے۔ ان خیالات کا پبلک میں پہلی بار کھل کر اظہار امیر تنظیم نے اپنی اسی حالیہ تقریر میں کیا ہے۔ کوئی امیر تنظیم کے خیالات کے ساتھ اتفاق کرتا ہو یا نہ کرتا ہو، ہمارے نزدیک اہم تر مسئلہ یہ ہے کہ ان معاملات پر ڈائیلاگ کا آغاز ہونا چاہئے اور امتِ مسلمہ اور ملتِ اسلامیہ پاکستان کے مستقبل کے بارے میں سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر کرنے والے احباب کو اس رخ پر بھی سوچنا چاہئے۔ یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ ہم اپنی خارجہ پالیسی کے ضمن میں کسی ایک ہی آپشن کو حرفِ آخر مان کر دیگر امکانات سے مکمل طور پر صرفِ نظر کر لیں! اپنی سوچ کو کسی ایک ہی سمت میں محدود کرنے اور تنگ نظری کی عادت اپنانے میں کسی اور کا نہیں، سراسر ہمارا ہی نقصان ہے! ○○

سہ روزہ علاقائی اجتماع

برائے رفقاءِ تنظیمِ اسلامی پاکستان پنجاب غربی

از 27 تا 29 مئی ۹۴ء

مقام : دفتر انجمن خدام القرآن، صادق مارکیٹ، ریلوے روڈ۔ فیصل آباد

پروگرام : روزانہ صبح ساڑھے آٹھ بجے تا ایک بجے بعد دوپہر اور بعد نماز عصر تا بعد نماز عشاء

- ○ علاقائی اجتماع میں حلقہ پنجاب غربی کے تمام رفقاء کی شرکت لازم ہو گی۔
- ○ علاقائی اجتماع کے بعد اسی مقام پر 30 مئی تا 2 جون مبتدی رفقاء کے لئے **تربیت گاہ** منعقد ہو گی۔

"اے اہل ایمان، یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ"

نیوورلڈ آرڈر، مسئلہ کشمیر اور ہماری خارجہ پالیسی

تحریک خلافت پاکستان کے زیر اہتمام کشمیر سیمینار میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا صدارتی خطاب

خطبۂ مسنونہ اور ادعیۂ ماثورہ کے بعد فرمایا:

معزز مہمان مقررین، محترم سامعین و محترم خواتین!

میرے بارے میں یہ بات سب کو معلوم ہے کہ میں اس قسم کی تقریبات کا مقرر نہیں ہوں۔ ایک ہی کام جس کے لئے میں نے اپنے آپ کو وقف کیا ہے، میں اس کے لئے موزوں بھی ہوں اور وہی کام میری زندگی کا مقصد بھی ہے اور اوڑھنا بچھونا بھی۔ اس پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: "اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا" کہ مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ آپ ؐ کی اس حیثیت سے مجھے کروڑ میں سے ایک کی نسبت بھی حاصل ہو تو اس پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں کہہ سکتا ہوں: "اِنَّمَا خُلِقْتُ مُدَرِّسًا" کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے مدرس کی حیثیت سے پیدا فرمایا ہے۔ خاص طور سے کسی جلسے یا کانفرنس میں بطورِ صدرِ محفل اختتام پر صدارتی کلمات کہنا مجھے بہت بھاری محسوس ہوتا ہے۔ چنانچہ آج کی اس محفل میں صدارت کے فرائض ادا کرتے ہوئے میں سابق مقررین کے ارشادات و فرمودات پر تبصرہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا، اس لئے کہ میں اپنے آپ کو اس کا اہل بھی نہیں سمجھتا، اور پھر اس طرح خواہ مخواہ تلخی پیدا ہو جانے کا اندیشہ بھی ہے۔ البتہ معذرت کے ساتھ حافظ حسین احمد صاحب سے ضرور عرض کروں گا کہ انہوں نے جس آیتِ مبارکہ کی تلاوت شروع میں فرمائی تھی، بین السطور تو اس کا حاصل ان کی تقریر میں آ گیا لیکن اس کا جو حق تھا کہ وضاحت کے ساتھ اس کا تذکرہ ہوتا وہ نہیں ہوا۔

دور حاضر میں ایک قرآنی پیشینگوئی کا ظہور

سورۃ المائدہ کی اِس آیت مبارکہ (یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰی اَوْلِیَاءَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَاءُ بَعْضٍ) کے ضمن میں میرا ذہن حال ہی میں اس حقیقت کی طرف منتقل ہوا ہے، اور میرے نزدیک یہ قرآن حکیم کے اعجاز کی ایک دلیل ہے کہ نزول قرآن کے وقت اس کی حیثیت ایک پیشینگوئی کی تھی، ایک امرِ واقعہ کی نہیں تھی۔ اور یہ پیشینگوئی امسال اِس دور میں آکر پوری ہوئی ہے۔ ورنہ اس سے قبل عیسائیت کی پوری دو ہزار سالہ تاریخ کے دوران یہودیوں اور عیسائیوں میں مسلسل دشمنی رہی ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت بھی یہود و نصاریٰ کے مابین کوئی دوستی نہیں تھی۔ حضور ﷺ کی ولادت سے تقریباً نصف صدی پیشتر ہزاروں عیسائیوں کو یہودیوں نے آگ میں زندہ جلا دیا تھا۔ اس حوالے سے یہ دراصل پیشین گوئی ہے جو آج پوری ہو رہی ہے۔ آج اس نیو ورلڈ آرڈر نے سارا نقشہ ہمارے سامنے رکھ دیا ہے کہ یہودی اور عیسائی یک جان دو قالب ہو چکے ہیں۔ بلکہ اب تو دو قالب بھی نہیں ہیں۔ جہاں تک "WASP" کا تعلق ہے وہ تو ایک عرصہ ہوا بالکلیہ یہودیوں کے قبضہ میں جا چکے ہیں۔ یہ سو برس کی داستان ہے، آج کی نہیں ہے۔ لیکن حال ہی میں یہ بھی ہوا ہے کہ کیتھولک، جو آج تک ان کے دشمن تھے، ان سے بھی مفاہمت ہو گئی ہے۔ چند سال پہلے تاریخ کا یہ معجزہ بھی رونما ہوا کہ ساڑھے انیس سو برس کی تاریخ بدل دی گئی، اور یہودی جو ان کے نزدیک "خدا کے صلبی بیٹے" کے قاتل تھے وہ اپنے اس جرم سے بری کر دیئے گئے۔ یہ بات آپ کے علم میں ہوگی کہ پاپائے روم کے ایک فرمان کے ذریعے یہودی حضرت عیسیٰؑ کو سولی دینے کے اس جرم سے بری کر دیئے گئے ہیں۔ اس کے بعد اب حالیہ واقعات یہ رونما ہوئے ہیں کہ اسرائیل کو کیتھولک عیسائیت کی مذہبی ریاست "ویٹی کان" (VATICAN) کی جانب سے تسلیم کر لیا گیا ہے اور اب "ویٹی کان" کا یروشلم میں سفارت خانہ کھلنے والا ہے۔ اسحاق رابن، صدر کلنٹن سے ملاقات کے بعد سیدھے روم جا کر پاپائے روم سے مل کر آئے ہیں اور انہیں اسرائیل تشریف لانے کی دعوت دی ہے،

جس کے نتیجے میں پوپ صاحب جلد ہی اسرائیل تشریف لانے والے ہیں۔ حال ہی میں یہ خبر بھی آئی ہے کہ اسحاق رابن نے پوپ کو کوئی شے یہ کہتے ہوئے دی ہے کہ تین ہزار برس تک تو ہم نے اس کی حفاظت کی ہے، اب یہ آپ کے حوالے ہے اور آپ اس کے محافظ ہیں۔ گویا عالمِ عیسائیت کا یہودیت کے ساتھ گٹھ جوڑ اپنے عروج کو پہنچ گیا ہے اور اس طرح قرآن حکیم کی یہ پیشین گوئی آج ہماری نگاہوں کے سامنے ہے کہ "بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ " (وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔) ورنہ واقعہ یہ ہے کہ جب سلطنتِ روما نے عیسائیت قبول کرلی تھی اس کے بعد سے عیسائیوں نے مسلسل یہودیوں کو مارا ہے، جبکہ اس سے پہلے یہودی عیسائیوں کو مارتے تھے۔ عیسائیوں کے ہاتھوں یہودیوں کو اس قدر مظالم اٹھانے پڑے ہیں کہ تاریخ انسانی میں اس کی کوئی دوسری مثال موجود نہیں ہے۔

درحقیقت ہمیں حالات کو اس وسیع تناظر میں دیکھنا چاہئے۔ یقیناً جو بھی سیاسی اکھاڑ پچھاڑ ہے اور جو بھی سیاسی حوادث ہیں ان کی تفاصیل وہ حضرات زیادہ جانتے ہیں جن کا تعلق پریس سے ہے، اس لئے کہ ان کا اوڑھنا بچھونا یہی ہے۔ لیکن کچھ حالات اس سے بالاتر سطح کے ہوتے ہیں، جن کے ماضی اور مستقبل کی طرف بھی دیکھنا چاہئے، اور حال کے بھی صرف ظاہر کو نہیں بلکہ اس کے باطن کو بھی دیکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جیسا کہ سورۃ الروم میں فرمایا گیا ہے کہ "يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" یعنی آخرت کے منکر دنیا کے بھی صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں، حیاتِ دنیوی کی بھی حقیقت ان پر منکشف نہیں ہے۔

قیامِ پاکستان: انگریز کا منصوبہ یا خدائی تدبیر؟

اس تناظر میں میں چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آج کی گفتگو کے لئے میرے ذہن میں دو حوالے ہیں۔ چند دن قبل روزنامہ جنگ میں دانیال لطیفی صاحب کا انٹرویو چھپا ہے۔ ان کی گفتگو کے دو حصے ہیں، جن میں سے ایک کا تعلق تخلیقِ پاکستان (Genesis of Pakistan) سے ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ نہ گاندھی چاہتے تھے کہ ہندوستان کی تقسیم ہو اور نہ ہی قائداعظم یہ چاہتے تھے۔ یہ تقسیم تو انگریز نے ٹھونسی ہے۔ اس قسم کی باتیں ہمارے ہاں خان عبدالولی خان صاحب بھی کرتے رہے ہیں کہ یہ سازش

انگریز کی ہے۔ اس بات کا بہت طویل پس منظر ہے۔ تاہم ایک حوالے سے یہ بات کچھ وزنی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ دانیال لطیفی صاحب منشورِ پاکستان کے مصنف ہیں' اگرچہ ان کا تعلق بائیں بازو سے ہے۔ جب کمیونسٹوں کی ہائی کمان نے یہ طے کیا تھا کہ انہیں اب تحریک پاکستان میں شریک ہو جانا چاہئے تو اُس وقت تحریک پاکستان میں شریک ہونے والوں میں سے ایک یہ بھی تھے۔ اس حوالے سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کی یہ بات قابل غور ہے۔ اس لیے کہ قائداعظم کے بارے میں یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ابتدا میں وہ ہندو مسلم اتحاد کے بہت بڑے نقیب رہے ہیں' چنانچہ انہیں سفیرِ اتحاد اور پیغمبرِ اتحاد بھی کہا گیا۔ وہ تو دراصل ہندوؤں کے قریب رہ کر ان کی ذہنیت کا قریب سے مشاہدہ کر کے مایوس اور بددل ہوئے تھے۔ اس کیفیت کے پیدا ہونے میں انگریز کی "Divide and Rule" پالیسی کا کتنا کچھ دخل تھا' یہ تو کسی بہت بڑی تحقیق کا موضوع بنے گا۔ بہرحال قائداعظم کا اپنا ابتدائی سیاسی دور ہندو مسلم اتحاد کے داعی اور سفیر کا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی واقعہ ہے کہ کیبنٹ مشن پلان کو قائداعظم نے تسلیم کر لیا تھا۔ آیا یہ ایک مجبوری تھی یا حالات کا جبر تھا؟ شاید قائداعظم یہ محسوس کر رہے تھے کہ اس وقت اگر میں نے کوئی زیادہ ضد کا مظاہرہ کیا تو ممکن ہے کہ انگریز یک طرفہ طور پر انتقالِ اقتدار کانگرس کو کر کے چلے جائیں! مزید برآں بین الاقوامی حالات بھی حد درجہ بدل چکے تھے۔ بہرحال جو کچھ بھی تھا' قائداعظم نے کیبنٹ مشن پلان کی تائید کی تھی۔

پاکستان کے "Genesis" کے بارے میں ہمیں یہ بات پہچان لینی چاہئے کہ یہ پاکستان ہم پر اللہ کی طرف سے ٹھونسا گیا ہے! یہ دراصل احیائے اسلام کی خدائی تدبیر کی ایک کڑی ہے۔ اس حوالے سے علامہ اقبال کا خطبہ الٰہ آباد ہمیشہ ہمارے ذہن میں رہنا چاہئے۔ انہوں نے ۱۹۳۰ء کے اس خطبہ میں کوئی تجویز نہیں دی تھی' نہ ہی کوئی قرارداد پاس کروائی تھی' بلکہ ایک "Vision" پیش کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ یہ تقدیرِ مبرم ہے کہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں ایک آزاد مسلم ریاست قائم ہو گی اور اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں ایک موقع ملے گا کہ ہم عالمِ انسانیت کے سامنے اسلام کی اس اصل تصویر کو پیش کر سکیں جس پر عرب ملوکیت کے دور میں پردے پڑ گئے

تھے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ دورِ ملوکیت کے بعد اسلام میں رہ گیا گیا' جس کی طرف آپ لوگوں کو دعوت دیں گے۔ ملوکیت کے جو مفاسد دنیا میں ہوتے ہیں وہی کچھ یہاں بھی پیدا ہوئے۔ چنانچہ کروڑوں روپے کے محل تعمیر ہوئے۔ یہ محل چاہے تاج محل کی صورت میں ہوں چاہے الحمرا کی شکل میں' چاہے مشرق میں ہوں چاہے مغرب میں' بہرحال یہ اسلام کا نمونہ ہرگز نہیں تھا۔

اسلام — نظامِ عدلِ اجتماعی یا محض مذہب؟

اِس وقت میں سلہری صاحب سے بھی بڑے ادب کے ساتھ عرض کروں گا کہ خدا کے لئے سوچیں' کیا آپ اسلام کی تبلیغ یورپ میں جاکر کرنا چاہتے ہیں[1]؟ میرے نزدیک کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ اِس ملک کو اسلام کا نمونہ بنائیے۔ نوعِ انسانی کسی ماڈل کے لئے ترس رہی ہے۔ اور یہ ماڈل ہی دنیا میں موجود نہیں ہے۔ علامہ اقبال کے حوالے سے یہ بات ہمارے سامنے رہنی چاہئے کہ انہوں نے اسلام کی تبلیغ کی بات ایک مذہب کی حیثیت سے نہیں کی تھی بلکہ انہوں نے ایک نظام کی بات کی تھی' جس کو پھر قائداعظم نے بھی "pick-up" کیا۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ ہم پاکستان اس لئے چاہتے ہیں کہ اسلام کے اصولِ اخوت و حریت و مساوات کا ایک عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں اور اسے ایک تجربہ گاہ بنا کر پیش کریں۔ ہماری ساری خرابی اور ناکامی دراصل اسی معاملے میں ہے۔ اور جب تک دینی اور مسلم لیگ کا ذہن رکھنے والی جتنی بھی شخصیات ہیں' ان میں یہ شعور پیدا نہیں ہوتا کہ ہماری پہلی ترجیح یہ ہوگی' اس وقت تک کام نہیں بن سکتا۔ آج سیمینار کے آغاز میں جن آیات کی تلاوت کی گئی ان کا اختتام ان الفاظ مبارکہ پر ہوتا ہے کہ: "فَنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ" یعنی "پھر ہم دیکھیں گے کہ تم کیا کرتے ہو"۔ ہم تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر دیں گے' تمہیں فتح بھی دے دیں گے' تم جو کچھ مانگ رہے ہو سب کچھ دے

---

[1] محترم زیڈ اے سلہری صاحب نے اپنی گفتگو میں اس نیک خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اگر اللہ انہیں مزید مہلتِ عمر عطا فرمائے تو وہ یورپ جاکر اسلام کی تبلیغ کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

دیں گے لیکن پھر ہم دیکھیں گے کہ تم کرتے کیا ہو اور اصل ہمیں اپنے گریبانوں میں جھانکنا چاہئے۔ ہماری کمزوری' ہماری ناکامی اور تباہی کا اصل سبب اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدہ خلافی اور تحریکِ پاکستان کے اصل ہدف سے انحراف ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد ہماری کوتاہیاں

دوسری بات یہ ہے کہ پاکستان کو قائم ہوئے اب پچاس برس ہونے کو آ رہے ہیں۔ اس رمضان المبارک میں قمری حساب سے اسے ۴۸ سال مکمل ہو گئے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں۔ اس ضمن میں ہماری ایک کوتاہی تو یہ رہی کہ ہماری قوت و طاقت کا جو اصل سرچشمہ ہو سکتا تھا یعنی قرآن حکیم اس کو ہم نے بند کر کے رکھ دیا۔ ہم نے اسلام کو پس پشت ڈالے رکھا جبکہ جاگیرداری کو جاری رکھا۔ اس طرح اس ملک کو جاگیرداروں کے لئے کھیل کا میدان بنا دیا گیا۔ اور اسی جرم کی پاداش میں ہم دنیا میں تنہا ہوئے ہیں' بلکہ اصل ستم ظریفی یہ ہے کہ ہم اپنے دوست ملکوں کی حمایت سے ہی محروم نہیں ہوئے' اللہ کی طرف سے بھی "isolate" ہو گئے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا تھا کہ "اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ' وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ؟" یعنی "اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور اگر اللہ ہی تم سے اپنی مدد سلب کر لے' وہ اگر تمہارا ساتھ چھوڑ دے' تو کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا؟" پھر تو ہمارے لئے کوئی سہارا نہ امریکہ ہے' نہ یو این او ہے' نہ چین ہے' نہ بھارت ہے۔ وہ جو اقبال نے کہا ہے کہ۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی ؐ

اس شعر کا کامل مصداق صرف مسلمانانِ پاکستان ہیں اور اس کے لئے دنیا میں اگر کوئی عملی مثال ہے تو وہ صرف پاکستان ہے۔ باقی تمام ممالک میں کہیں لسانی قومیت' کہیں نسلی قومیت اور کہیں وطنی قومیت ہے۔ یہی ایک ملک ایسا ہے جس کی بنیاد اسلام ہے' بالکل اسی طرح

جس طرح حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے جب ان کا نام پوچھا جاتا تھا تو وہ کہتے: "سلمان!"۔ لیکن عربوں کے ہاں چونکہ نام اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک والد کا نام معلوم نہ کرلیں لہٰذا وہ سوالیہ انداز میں پوچھتے کہ سلمان بن؟ وہ کہتے: "سلمان بن اسلام!" یعنی میری ولدیت اسلام ہے۔ تو پاکستان اس کرۂ ارضی کا واحد ملک ہے جس کی ولدیت اسلام ہے۔ دراصل ہماری اصل کوتاہی یہی ہے کہ ہم نے قیامِ پاکستان کے مقصد کی طرف کوئی پیش قدمی نہیں کی۔ ظاہر ہے یہ کوتاہی بعض لوگ منافقت میں کرتے رہے ہیں۔ یہاں اسلام کا نام لے کر اسلام کی جڑیں کھودی گئی ہیں۔ پھر ایک پارٹی ایسی بھی برسرِاقتدار آگئی جس نے کھلم کھلا سیکولر نظریات کا پرچار کیا۔ لیکن حقیقت میں یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں اور ان میں حقیقتاً کوئی فرق و تفاوت سرے سے ہے ہی نہیں۔

ہماری خارجہ پالیسی ــــ ماضی اور حال کے آئینے میں

البتہ ان پچاس سالوں کا دوسرا پہلو بڑا عجیب ہے اور وہ یہ کہ ہم ابھی تک اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہوئے۔ ہم نے اپنے اللہ کے ساتھ وفاداری نہیں کی بلکہ اس کے ساتھ جنگ جاری رکھی۔ وہی سودی کاروبار' وہی سارا بینکنگ کا نظام جس کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے' یہاں اب تک جاری و ساری ہے۔ نفاذِ شریعت ایکٹ پاس کیا تو اس میں بھی اللہ کے ساتھ اعلانِ جنگ کیا۔ اگر سہارا لیا ہے تو امریکہ بہادر کا۔ میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں' بڑا دلچسپ واقعہ ہے۔ یہ ۱۹۵۳ء کی بات ہے جب خواجہ ناظم الدین صاحب وزیرِ اعظم تھے۔ میں اُس وقت اسلامی جمعیت طلبہ کا ناظمِ اعلیٰ تھا۔ اس وقت پہلی اینٹی قادیانی تحریک چلی تھی اور اس کی وجہ سے ملک میں بڑا ہنگامہ تھا۔ خواجہ صاحب لاہور کے دورے پر تشریف لائے' ان کے ساتھ سردار عبدالرب نشتر صاحب بھی تھے۔ ہم نے ان سے انٹرویو کے لئے وقت لیا۔ میرے ساتھ دوسرے طلبہ بھی تھے۔ ہمارے جاتے ہی خواجہ صاحب نے پہلا سوال یہ کیا کہ آپ کس عربی مدرسے سے آئے ہیں؟ اس لئے کہ ہم لوگ باریش تھے' اور اُن دنوں داڑھیاں تو صرف دینی مدارس والوں کی ہوتی تھیں۔ جب انہیں بتایا گیا کہ میں میڈیکل کالج کا طالب

علم ہوں، یہ گورنمنٹ کالج کے ہیں، یہ لاء کالج کے ہیں، یہ فلاں کے ہیں اور یہ فلاں کے ہیں، تو اس پر وہ ذرا چونکے!! اس کے بعد سردار عبدالرب نشتر صاحب نے جمعیت کا تعارف کرایا کہ یہ طلباء کی ایک تنظیم ہے جو جماعت اسلامی کی ہم خیال ہے، یہ مولانا مودودی کے نظریات کے حامل ہیں، یہ کالجوں کے لوگ ہیں، عربی مدارس کے نہیں ہیں۔ اب جب ان سے گفتگو شروع ہوئی تو میں نے کہا کہ "یہ جو آپ مختلف "Pacts" کے اندر اپنے آپ کو باندھ رہے ہیں (بغداد پیکٹ وغیرہ) اس کا معاملہ اور حقیقت کیا ہے؟" پہلے تو گھبرا کر کہنے لگے: "دیکھئے جی یہ معاملات ملکی سطح کے ہیں، یہ آپ طلباء کے مسائل نہیں ہیں۔" میں حیران ہوں کہ اس پر کس طرح میرے منہ سے یہ جملہ نکل گیا، میں نے کہا: "نہیں جناب، آپ تو ہمیں ان معاہدات میں باندھ کر چلے جائیں گے، بعد میں ملک تو ہم ہی نے سنبھالنا ہے۔" میرے ذہن میں ابھی تک وہ نقشہ موجود ہے۔ خواجہ صاحب بڑے شریف النفس اور سادہ لوح انسان تھے۔ اور ان کی یہ ان کی سادہ لوحی کی مثال یہ ہے کہ میرے ایک جملے پر اس قدر بدل گئے کہ جواب میں سادہ سی بات یہ کی کہ: "دیکھو پنڈت جی تو نہیں چاہتے کہ پاکستان رہے اور ہمارے اندر تو پنڈت جی کے مقابلے کی طاقت نہیں نا!! اب پھر ہمارے پاس کیا حل ہے؟ اور تو کوئی حل ہے نہیں، ہمیں تو مدد لینی ہو گی۔" تو یہ ہے ہماری خارجہ پالیسی۔ اس دن سے لے کر آج تک ہم امریکہ کے گھڑے کی مچھلی بنے ہوئے ہیں، جس نے کبھی ہمارے ساتھ وفا نہیں کی ہے، جس نے ۶۵ء میں بھی ہماری پیٹھ میں چھرا گھونپا ہے۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ مغربی استعمار کا جو ایک سیلاب ہے، یہود و نصاریٰ کا جو گٹھ جوڑ ہے، ہم نے اپنے سارے مفادات اس کے ساتھ وابستہ کر دیئے ہیں۔ وہی ہمارا مائی باپ، وہی ہمارا ان داتا اور وہی ہمارا محافظ ہے۔ اس لئے کہ بقول اقبال۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اگر ہم اللہ کے سامنے سجدہ ریز نہیں ہوں گے تو بہرحال کسی نہ کسی کے سامنے تو جھکنا ہی ہے۔ تو یہ ہے وہ سجدہ جو ہم امریکہ کی چوکھٹ پر کرتے چلے آ رہے ہیں۔ یہ ہے ہماری خارجہ پالیسی، جس کے بارے میں مختلف انداز سے کہا جاتا ہے کہ ...

کے اثرات ہیں۔ بہرحال اس پر امریکہ کا اثر و رسوخ مسلّم ہے اور ہم یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ بالآخر اسی کی رضامندی سے کچھ حاصل ہو گا!

بہرکیف میں جو بات عرض کرنا چاہوں گا وہ یہ ہے کہ اس وقت ہمیں بڑی گہری سطح پر اتر کر اپنی خارجہ پالیسی پر نظرِ ثانی کرنی چاہئے۔ اِس وقت ہم واقعتاً isolate ہو گئے ہیں۔ یہ بات بالکل صحیح کہی گئی ہے کہ ہمارے روایتی دوست بھی ہمارا ساتھ چھوڑ گئے ہیں۔ اگر ساتھ نہیں بھی چھوڑا تو کم از کم neutralize تو ہو گئے ہیں۔ اس وقت ہماری رائے کا دارومدار عالمی حالات کے تجزیہ پر ہے۔ کیا امریکہ کسی بھی درجے میں انسانی حقوق کا علمبردار ہے؟ کسی درجہ میں بھی سوشل جسٹس یا قوموں کے درمیان انصاف کا علمبردار ہے؟ یا اس کے برعکس امریکہ صیہونیت کا آلۂ کار بن کر درحقیقت یہودیوں کے عالمی عزائم کی تکمیل کر رہا ہے۔

عالمِ عرب پر عذابِ الٰہی کے سائے

"بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ" کے الفاظ پر مشتمل قرآن حکیم کی جو پیشین گوئی آج دنیا کے سامنے آ رہی اس کے حوالے سے میں عرض رہا ہوں کہ یہود و نصاریٰ کے اس گٹھ جوڑ کو اب سو سال پورے ہونے کو ہیں۔ اور اب آپ دیکھیں گے کہ یہود مسجدِ اقصیٰ کو منہدم کر دیں گے' جس پر شدید ہنگامہ ہو گا' جس طرح انڈیا میں بابری مسجد کی شہادت پر ہوا تھا۔ ہندوستان کا مسلمان اس پر تڑپ اٹھا تھا۔ ان میں ایسے بھی تھے جن کا کوئی نظم نہیں تھا لہٰذا انہوں نے کچھ توڑ پھوڑ بھی کی' اور پھر پولیس نے ان کے سینے گولیوں سے چھلنی کر دیئے۔ اسی طرح عالمِ عرب میں بھی جو "فنڈامنٹلسٹ" نوجوان ہیں وہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ مثلاً حماس کے نوجوان اور سعودی عرب کے وہ نوجوان جو افغان جہاد میں حصہ لے کر گئے ہیں' ان کے اندر شدید جذبہ موجود ہے۔ اور یہ لاوا ایک دفعہ ۱۹۷۹ء میں پھٹ بھی چکا ہے۔ یہ لوگ اٹھیں گے اور انہیں اِس وقت کے عرب حکمران خود ہی بھون ڈالیں گے اور اگر کوئی کسر رہ جائے گی تو یہودی اور امریکہ ان کو تہس نہس کریں گے۔ اور یہ سب کچھ تو یوں سمجھئے کہ شدنی ہے' اس کو کوئی ٹالنے والا نہیں' یہ ہو کر رہے گا۔ اس لئے کہ آنحضور

ﷺ نے اس کی خبریں دی ہیں۔ کتاب الملاحم میں مذکور " المَلحمۃ العظمٰی " یعنی تاریخ انسانی کی عظیم ترین جنگ کے سارے آثار نمایاں ہو رہے ہیں۔ اس کے لئے مولانا مودودی مرحوم نے ایک جگہ لکھا تھا کہ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے ان تمام واقعات کے لئے سٹیج تیار ہو رہا ہے، جیسے ڈرامے میں کسی خاص سین کے لئے سٹیج تیار کیا جاتا ہے۔ اسرائیل کا قائم ہو جانا اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ دو ہزار برس کے دورِ انتشار (Diaspora) کے بعد بالآخر وہ جس طرح اپنی مملکت قائم کر لینے میں کامیاب ہو گئے، یہ واقعتاً قابلِ تخیل ہے۔

یہ سب دراصل عذابِ الٰہی کا مظہر ہے، جس کے اولین مستحق ہی عرب مسلمان ہیں، اس لئے کہ ان کی زبان میں اللہ کا کلام موجود ہے لیکن انہوں نے اس سے بے اعتنائی برتی ہے۔ جب ہم آزاد ہوئے بالکل اسی وقت یہ لوگ بھی مغربی استعمار سے آزاد ہوئے تھے لیکن ان میں سے کسی ایک ملک نے بھی اسلام کی طرف کوئی پیش رفت نہیں کی۔ کیا یہ چھوٹا جرم ہے؟ اس سے پہلے تو چلئے یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم پر انگریز حاکم ہے، ہم پر فرانسیسی اور اطالوی حاکم ہیں، لیکن اب تو انہیں آزاد ہوئے نصف صدی بیت چکی ہے۔ عرب ممالک میں جہادِ حریت کے نام سے آزادی کے لئے جدوجہد کی گئی۔ الجزائر کے جہاد کے لئے تو یہاں بھی چندہ اکٹھا کیا گیا تھا، لیکن اس جہاد کے نتیجے میں وہاں سوشلسٹ حکومت قائم ہوئی اور الجزائر شمالی افریقہ میں شراب کا سب سے بڑا برآمد کنندہ ملک بنا۔ یہ حقائق ہیں جنہیں سامنے رکھنا چاہئے۔

عربوں کے بعد دوسرے نمبر پر سب سے بڑی مجرم قوم ہم پاکستانی مسلمان ہیں، جنہوں نے لاکھوں جانیں قربان کر کے خونی لکیر کھنچوائی تھی اور اسلام کے نام پر یہ ملک بنوایا تھا، لیکن یہاں تاحال اسلام کی طرف کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی، سوائے اس کے کہ زبانی کلامی اس کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" رکھ لیا گیا ہے۔ اس حوالے سے ہم بھی عذابِ الٰہی کے مستحق ہو چکے ہیں، اِلّا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہماری دستگیری فرمائے یا ہمیں توبہ کی توفیق ہو جائے اور ہم اپنی بھولی ہوئی منزل کو یاد کریں، یعنی ہم یہاں اسلام کے نظامِ معاشرت، نظامِ معیشت اور نظامِ سیاست کو، جن کا جامع عنوان "نظامِ خلافت" ہے، قائم کر

کے دنیا کے سامنے ماڈل پیش کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا اس وقت اس ماڈل کی تلاش میں ہے۔ جسٹس جاوید اقبال صاحب جب وسطِ ایشیا کی ریاستوں کا دورہ کر کے واپس آئے تھے تو انہوں نے کہا تھا کہ میں جہاں کہیں گیا ہوں لوگ علامہ اقبال سے واقف ہیں' البتہ ان کا کہنا ہے کہ ہم تو کسی ماڈل کی تلاش میں ہیں۔ سعودی ماڈل انہیں پسند نہیں کہ اس کی بنیاد بادشاہت پر ہے اور ایرانی ماڈل اس لئے انہیں پسند نہیں کہ اس کی بنیاد تھیاکریسی پر ہے۔ وہ حقیقی اسلامی ماڈل چاہتے ہیں۔ یہ وہ ماڈل تھا جس کا خواب اقبال نے دیکھا تھا اور جس کی بات قائداعظم نے کی تھی۔ اسی پکار پر لبیک کہتے ہوئے پورے ہندوستان کے مسلمان جمع ہو گئے تھے۔ ہماری توجہ کا اصل ارتکاز اس پر ہونا چاہئے۔

پاک بھارت تعلقات ــــــ بعض قابلِ غور پہلو

دوسری طرف ہمیں کچھ زمینی حقائق کو بھی سامنے رکھنا چاہئے۔ ہماری تاریخ اور اجتماعی نفسیات کچھ ایسی بن گئی ہے کہ بھارت سے دشمنی گویا ہماری نفسیات کا حصہ بن چکی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان اصل میں ہندوؤں کی نفرت کی وجہ سے ہی وجود میں آیا تھا۔ یہ گویا ہندوؤں کی تنگ نظری اور ان کی نفرت کا ردعمل ہے۔

تو نے اچھا ہی کیا دوست سہارا نہ دیا
مجھ کو لغزش کی ضرورت تھی سنبھلنے کے لئے

میں حیران ہوں کہ علامہ اقبال نے اپنے ۱۹۳۰ء کے خطبہ الٰہ آباد میں کہا تھا کہ اگر یہاں ایک آزاد اسلامی ریاست قائم ہو جائے تو یہ فوجی اور نظریاتی' ہر دو طرح کے حملوں سے ہندوستان کے دفاع کی سب سے بڑی صورت ہو گی۔ گویا یہ ریاست پورے ہندوستان کے لئے حفاظتی فصیل بن جائے گی۔ میرے خیال میں ہمیں کچھ ماضی کی طرف جانا چاہئے اور اس پر غور کرنا چاہئے۔ اس موقع پر میں شاہی صاحب کی توجہ بھی اس طرف دلاؤں گا کہ موجودہ بھارت اب ایک نیا بھارت ہے' جہاں نہرو کی ذریت ختم ہو چکی ہے۔ اب وہاں پر وزارتِ عظمیٰ نرسیما راؤ کے پاس ہے۔ وہاں ایک نیا انقلاب یہ آیا ہے کہ آر ایس ایس کی قیادت اب ایک راجپوت کے پاس چلی گئی ہے۔ آر ایس ایس جو کہ درحقیقت جنوبی ہند کے

برہمنوں کی قائم کردہ تحریک تھی، اس کے اب تک کے تینوں گرو برہمن رہے ہیں، لیکن دیورس نے اپنی صحت کی وجہ سے جب اس سے استعفاء دیا ہے تو اس کی جگہ ایک راجپوت نے لی ہے۔ اس کو بھی ہندوستان میں ایک بڑا واقعہ قرار دیا جارہا ہے۔ پھر وہاں اتنی آزادی بھی ہے کہ حال ہی میں گاندھی کو گالیاں دی گئی ہیں۔ چنانچہ ہمیں اسلام کی تبلیغ ہی کرنی ہے تو بھارت میں کیوں نہیں کرتے؟ یہ بھی تو آخر انسان ہیں، ان کا اور ہمارا تو ماضی بھی ایک رہا ہے۔ اس اعتبار سے ہم ان کے مجرم ہیں کہ ہم نے ان پر ہزار برس حکومت کی لیکن اسلام کی تبلیغ نہیں کی۔ ہم نے تاج محل بنائے اور عیاشیاں کیں، لیکن ہم نے اسلام کی تبلیغ کہاں کی ہے؟ ہم نے اسلام کا ماڈل کہاں پیش کیا؟ وہ تو صوفیاء کرام تھے جنہوں نے اس راہ میں محنت کی اور اپنی فقیری اور درویشی میں لاکھوں مسلمان بنالئے۔ اگر ہمارے حکمران اسلام کی تبلیغ کرتے تو کیا ہندوستان کا ایک شودر بھی مسلمان ہوئے بغیر رہ جاتا؟ اگر سرکاری طور پر ذوالقرنین کی طرح اعلان کر دیا جاتا جس کا ذکر سورۂ کہف میں آیا ہے کہ جو ایمان لے آئے گا اس کے لئے اللہ کے ہاں بھی اچھا اجر ہو گا اور ہم بھی اس سے اچھا سلوک کریں گے، اس کے لئے ہم آسانی پیدا کر دیں گے، اور اس طرح حکمرانوں کی طرف سے اسلام قبول کرنے والوں کے لئے کچھ مراعات کا اعلان ہوتا تو ہندوستان میں ایک بھی ہندو مسلمان ہوئے بغیر نہ رہتا۔

اس تناظر میں ہمیں اپنی سوچ اور فکر پر نظر ثانی کرنی چاہئے اور "نیو ورلڈ آرڈر" جو حقیقت میں "جیو ورلڈ آرڈر" (Jew World Order) ہے، اس کا ہر صورت مقابلہ کرنا چاہئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایران کی طرف سے جو تجویز آئی ہے یہ ہمارے لئے سنجیدہ غور و فکر کی مستحق ہے۔ اگرچہ چین کی اپنی مجبوریاں ہیں اور وہ بھی جھکنے پر آمادہ ہو رہا ہے، کیونکہ "Stick and Carrot Policy" سے بڑی سے بڑی قوم پر بھی کچھ نہ کچھ تو اثرات ظاہر ہوں گے، لیکن اس کے باوجود جس طرح صاف اور کورا جواب انہوں نے دیا ہے اور ان کی طرف سے امریکہ کو دوٹوک انداز میں کہا گیا ہے کہ اگر آپ اپنی مراعات واپس لینا چاہتے ہیں تو لے جایئے لیکن یہ بھی جان لیجئے کہ پھر آپ کی منڈی بھی ختم ہو جائے گی، میرے نزدیک یہ حوصلہ افزا معاملہ ہے۔ اس لئے ہمیں حالات کے رخ کا جائزہ

لینا چاہئے۔ خاص طور پر "Jew World Order" کا راستہ روکنے کی کوشش کرنی چاہئے جس کے شکنجے میں عرب ممالک تو مکمل طور پر آ چکے ہیں اور ان کے پاس تو اب کوئی آپشن ہے ہی نہیں۔ اب ان کی طرف سے اسے مسترد کرنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا۔ صدام حسین کے زیر قیادت عراق کے ایٹمی دانت نکلنے کا کچھ اندیشہ تھا' سو امریکہ نے اس سے اگلا پچھلا کھایا پیا سب اگلوا لیا ہے اور اسے تہس نہس کر کے رکھ دیا ہے۔ امریکی جنرل شوارزکراف نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ ہم نے یہ جنگ لڑی ہی اسرائیل کے تحفظ کے لئے ہے۔

نکل جاتی ہے جس کے منہ سے سچی بات مستی میں
فقیہِ مصلحت بیں سے وہ رندِ بادہ خوار اچھا

مسئلہ کشمیر اور نیو ورلڈ آرڈر

بظاہر یہ واقعات کچھ اور نظر آتے ہیں' لیکن اس ظاہر کے پردے میں مخفی حقیقت کچھ اور ہے۔ اور اگر قرآن اور حدیث کی آنکھوں سے دیکھا جائے تو یہ درحقیقت صیہونیت کا سیلاب ہے' اور نہ صرف امریکہ بلکہ پوری عیسائی دنیا اب اس کے آلۂ کار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا اصل ہدف یہ ہے کہ پورے گلوب کا معاشی استحصال کیا جائے۔ یہودی اپنی حکومت تو صرف اسی علاقے میں چاہتے ہیں جو گریٹر اسرائیل کا نقشہ ان کے ذہن میں ہے' لیکن معاشی استحصال تو وہ پورے گلوب کا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے نزدیک تمام غیر یہودی جینٹائل (Gentiles) یعنی انسان نما حیوان ہیں' جن کی مثال گھوڑے کی ہے کہ اس کو تانگے کے آگے جوت لیا جاتا ہے' اور اگر اس سے سو روپے کمائے جائیں تو اس کے دانہ پانی پر ۲۰۔۲۵ روپے اس لئے خرچ کرنے ہوتے ہیں کہ وہ اگلے روز بھی کام کر سکے۔ باقی ساری رقم اس کے مالک کی ہے۔ وہ پوری دنیا کے انسانوں کا اسی طرح استحصال کرنا چاہتے ہیں کہ وہ یہودیوں کے مفاد کے لئے کام کریں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ان کے اس مالیاتی نظام نے پوری انسانیت کو جکڑ لیا ہے۔ مشرق کے کچھ ممالک رہ گئے ہیں جن کو اس شکنجے میں جکڑنا ابھی باقی ہے۔ جاپان کی اہمیت صرف اس پہلو سے باقی رہ گئی ہے کہ وہ بہرحال ان کا صنعتی

مدِّمقابل ہے اور اپنی مالیاتی اور اقتصادی طاقت پر کھڑا ہے' اگرچہ اس کی عسکری حیثیت سرے سے ہے ہی نہیں۔ چین عسکری حیثیت بھی رکھتا ہے اور اندازہ یہ ہے کہ بھارت نے بھی کشمیر کے بارے میں نیو ورلڈ آرڈر کے عزائم کو اچھی طرح پہچان لیا ہے۔

کشمیر کے مسئلہ پر اب امریکہ کو انسانی حقوق یاد آئے ہیں۔ کبھی رابن رافیل نے کشمیر کے بارے میں کہا تھا کہ ہم مانتے ہیں کہ یہ متنازعہ علاقہ ہے' اور نہ صرف مقبوضہ کشمیر بلکہ اس کے جو علاقے پاکستان کے پاس ہیں اور اس کے علاوہ جو علاقہ چین کے پاس چلا گیا ہے وہ بھی متنازعہ ہے' تو ہم خوش ہو گئے کہ سفارتی سطح پر ہماری بڑی کامیابی ہو گئی ہے کہ امریکہ نے اس کو "متنازعہ" مسئلہ تسلیم کر لیا ہے۔ جبکہ امریکہ کے پیش نظر تو یہ ہے کہ اسے آزاد بنا کر اسرائیل کی طرح کا اپنا اڈہ بنایا جائے' اور اگر ایک نئی سرد جنگ چائنا کے خلاف کرنا پڑتی ہے تو اس کے لئے لانچنگ بیس (Launching Base) کشمیر کو بنایا جائے۔ اب میں یہ بات عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ جہاں تک مجھے نظر آ رہا ہے (واللہ اعلم) اگر آپ نے پورے طور پر امریکہ کا آلۂ کار بننا قبول کر لیا تو امریکہ آپ کے ایٹمی پروگرام سے بھی صرفِ نظر کر لے گا۔ آج (۳۱ مارچ) عبدالوحید کاکڑ صاحب کا جو بیان آیا ہے' اس سے یقیناً خوشی ہوئی ہے۔ لیکن میں اس کے اندر ایک اور چیز بھی دیکھ رہا ہوں۔ امریکہ اس وقت چائنا کے خلاف ہے' اور چائنا کے ساتھ ساتھ کشمیر کا معاملہ یوں رہتا ہے کہ یہ آزاد ہو کر امریکہ کے زیرِ تسلط آ جاتا ہے' خواہ یہ تسلط یو-این-او کے ذریعے ہو۔ اس لئے کہ یو-این-او کی حیثیت امریکہ کے چہرے کے نقاب کے علاوہ اور ہے ہی کیا! اس طرح امریکہ کشمیر میں بیٹھ کر وسطی ایشیا کی نو آزاد ریاستوں کو بھی کنٹرول کرے گا۔

میں آپ سے معذرت کے ساتھ عرض کروں گا کہ جہادِ افغانستان کا ذکر یہاں بہت ہوا ہے لیکن کیا آپ نے کبھی سوچا کہ جہادِ افغانستان سے آج تک فائدہ کس کو پہنچا ہے؟ آپ نے یہ جہاد کر بھی اس لئے لیا کہ ایک سپر طاقت آپ کی پشت پر تھی۔ اب آپ کی پشت پر کون ہے؟ اب تو ایک ہی سپریم پاور یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے' جس کو اگر آپ اپنے ساتھ مدد کے لئے لے آئیں تب تو کوئی بات بنتی ہے ورنہ اور ہے کون؟— افغانستان کی جنگ تو درحقیقت "By Proxy" امریکہ نے لڑی ہے۔ اس میں خون مسلمان کا بہا اور کام بنا

امریکہ کا۔ روس کو شکست دلوائے بغیر تو وہ "Sole Supreme Power" بن ہی نہیں سکتا تھا۔ اس جنگ میں دس بارہ لاکھ افغان' مسلمان ماؤں کا دودھ پینے والے مرے ہیں' چاہے وہ سرکاری فوجوں میں سے ہوں یا مجاہدین میں سے۔ روسی کتنے مرے ہوں گے؟ اس کے لئے اسلحہ امریکہ نے دیا تھا' لہٰذا اب تک کی صورت حال کے پیش نظر یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ کام بھی اسی کا بنا ہے۔ چنانچہ اپنا الو سیدھا کرنے کے بعد امریکہ نے جس تیزی سے آنکھیں بدلیں اور پاکستان کے ساتھ اپنے رویّے کو تبدیل کیا ہے وہ سب کے سامنے کی بات ہے۔ لہٰذا سطحی باتوں سے ہٹ کر خدا کے لئے حقائق کو دیکھئے۔ کیا اس امریکہ سے آپ یہ توقع رکھتے ہیں کہ آئندہ بھی وہ آپ کی پشت پر ہو گا؟ اور اگر کسی درجے میں ہو گا تو صرف اپنے مفادات کے لئے ہو گا!! لہٰذا میرے نزدیک اب ہمیں آئندہ کے لئے نیا لائحہ عمل ترتیب دینا چاہئے۔ بھارت نے بھی چائنا کے ساتھ جو Normalization کی ہے' بڑی ہمت کے ساتھ کی ہے' اور اس کا فائدہ اس نے یہ اٹھایا کہ اب اس نے وہاں سے بھی اپنی فوج کے دو ڈویژن لا کر کشمیر میں جھونک دیئے ہیں۔

اب میں کہوں گا کہ کشمیر کے مسئلہ میں آپ یو۔این۔او کو بالکل بھول جائیے۔ اگر آپ نے یو۔این۔او کی قراردادوں پر عمل کروایا تو سب سے پہلے آپ کو اپنی فوجیں آزاد کشمیر اور گلگت سے ہٹانا پڑیں گی۔ گویا کہ یو این او کا مینڈیٹ تو پہلے ہی بن جائے گا۔ پھر وہاں کیا ہوتا ہے؟ وہ آزادی کے انجکشن کس کس کو لگاتے ہیں اور ان کی کیا کیا سازشیں کامیاب ہوتی ہیں۔ یہ جراثیم تو وہاں موجود ہیں اور ان کی جو قیمت وہ دے سکتے ہیں وہ ہم تو نہیں دے سکتے۔ اس حوالے سے پاکستان اور بھارت دونوں کو سوچنا چاہئے کہ اگر یہ بندر یہاں پر بیٹھا رہا تو بلیاں لڑتی رہیں گی اور ساری روٹی بندر رکھا جائے گا۔ سوچنا یہ چاہئے کہ کیا دو بلیاں آپس میں قریب آسکتی ہیں یا نہیں؟ تو ہمیں اس مسئلہ کو حل کرانا ہو گا ورنہ ہم مغربی سامراج کا آلۂ کار بن جائیں گے' جس کا ہیڈ اس وقت بظاہر امریکہ ہے لیکن اس کی پشت پر "Zionism" ہے۔ اسحاق رابن کا ایک معنی خیز بیان آیا تھا' اس نے "PLO" سے کہا تھا کہ جلدی مصالحت کرو کیونکہ وقت ہاتھ سے نکلا جارہا ہے ("Time is runing out")۔ اس لئے کہ اِس وقت وہ اپنے ہاں "فنڈامنٹلسٹ"

عنصر کو کنٹرول نہیں کر پا رہا۔ ایک شخص نے مسجد ابراہیم میں آکر ۸۰/۷۰ فلسطینی شہید کر دیئے۔ یہ دراصل ان کا "Fundamentalist" عنصر ہے۔ صیہونیت کی تحریک ابتدا میں بالکل سیکولر تحریک تھی۔ اس کے پیچھے مذہبی یہودی نہیں تھا' بلکہ بینکار اور بڑے بڑے سرمایہ دار تھے' جبکہ مذہبی یہودی (Practicing Jews) اسرائیل کے خلاف تھے۔ اب جبکہ صیہونیت نے علیحدہ ملک اسرائیل کے قیام کی شکل میں کامیابی حاصل کر لی تو اس وقت "فنڈامنٹلسٹ" طبقہ وہاں کا رخ کر رہا ہے اور اپنے قدم جما رہا ہے۔ آپ نے اس شخص کی تصویر دیکھی ہو گی جس نے مسجد ابراہیم میں فائرنگ کی' اس کی داڑھی سے معلوم ہوتا ہے کوئی افغان مجاہد ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس نے ستر اسّی افراد وہاں مارے ہیں۔ خبر یہ آ رہی ہے کہ حکومت کہتی ہے کہ ان بنیاد پرستوں کو روکو' لیکن پولیس اور فوج صرفِ نظر کر جاتی ہے۔ جیسے تاریخ میں ہمارا تجربہ ہے کہ جب متحدہ ہندوستان میں ہندو مسلم فسادات ہوتے تھے تو ہندو پولیس والے ہندوؤں کی اور مسلمان پولیس والے مسلمانوں کی رعایت کر جاتے تھے۔ بہرحال وہ محسوس کرتے ہیں کہ اسرائیل کی قیادت اب ہمارے ہاتھ سے نکل کر "Fundamentalists" کے ہاتھ میں جا رہی ہے۔

ہمارے لئے راستہ یہ ہے کہ ہم بھارت کے ساتھ Bi-lateral مذاکرات کے ذریعے معاملے کو حل کریں۔ اس ضمن میں چین اور ایران کا تعاون بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے مجھے بھی خوب اندازہ ہے اور آپ کو بھی اندازہ ہو جانا چاہئے کہ بھارت کی حکومت اب اچھی طرح سمجھ چکی ہے کہ وہ اب کشمیر تو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتی۔ وہاں کے دانشور کھل کر کہہ رہے ہیں کہ اب کشمیر ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ اسی لئے اب کبھی تقسیم کی سکیم آتی ہے اور کبھی کوئی اور تجویز آتی ہے۔ اس سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ امریکہ خود کشمیر کو ہڑپ کرنا چاہتا ہے۔ اس بات کو بھی ایک ہندو چوپڑا نے اپنے مضمون میں بیان کیا ہے جو "Gulf Time" میں چھپا ہے' ورنہ ہمارے صحافیوں کی نگاہ وہاں تک نہیں ہے۔ اس اعتبار سے ہمیں بدلتے ہوئے حالات میں مشرق کی طرف دیکھنا چاہئے' مغرب کبھی بھی ہمارے کام نہیں آیا۔ مغرب کی دشمنی از روئے قرآنی ہمارے لئے ثابت ہے۔ ان سے کسی توقع کو ہلکے ترین الفاظ میں سادہ لوحی ہی کہا جا سکتا

ہے۔ انہیں دراصل اپنے مفادات کے لئے کچھ نہ کچھ دکھاوا کرنا پڑتا ہے۔ جیسے بوسنیا میں کچھ نہ کچھ کر دیا۔ یہ کر بھی اس لئے دیا ہے کہ بوسنیا کے عوام نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ کھڑے رہ سکتے ہیں' جانیں دے سکتے ہیں۔ مغربی پریس کچھ نہ کچھ حقائق بھی بیان کر دیتا ہے تاکہ لوگ انہیں پڑھیں' دیکھیں' سوچیں اور انہی کے حوالے سے اپنے ذہن بنائیں۔

اگر ہم قرآن و حدیث کی آنکھ سے دیکھیں تو "المَسیحُ الدّجّال" کا ظہور اب دور نہیں ہے۔ یہ "فنڈامنٹلسٹ" یہودیوں میں سے ہو گا اور کھڑا ہو کر کہے گا کہ ہٹو تم جو لبرل ہو' ہمیں اس موعودہ زمین پر اپنی حکومت قائم کرنے دو۔ اس کی بھی ان کے اندر صلاحیت ہے کہ جب چاہیں گے امریکہ کے ٹکڑے کرا دیں گے۔ اس لئے کہ وہاں اصل چیز پیسہ ہے اور کسی جگہ مالیاتی بحران پیدا کرنا یہودیوں کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ کہیں سٹاک ایکسچینج کے اندر کوئی زلزلہ پیدا کریں گے تو طوفان آ جائے گا۔ امریکی مرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اسی لئے ویت نام سے بھاگے اور اب صومالیہ سے بھی بھاگ رہے ہیں۔ ان کے نزدیک مرنے کے لئے پاکستانی کیا کم ہیں؟ وہ خواہ مخواہ امریکیوں کو کیوں مروائیں؟ یہاں کے مسلمانوں نے تو اس سے پہلے کعبے پر جا کر بھی گولیاں چلا دی تھیں۔ انہوں نے ایلن بی کو بھی تو قبضہ لے کر دیا تھا۔ جب ماضی میں ایسا ہوتا رہا ہے تو کیوں نہ اب بھی انہیں استعمال کیا جائے۔ امریکہ کو جو ہم سے دلچسپی ہے تو وہ یہی ہے کہ وہ ہماری فوج کو نیو ورلڈ آرڈر کے لئے پولیس فورس بنا کر رکھ دینا چاہتا ہے۔ ادھر ہم سمجھتے ہیں کہ اچھی تنخواہیں ملتی ہیں' گھر بن جاتے ہیں اور کاریں آجاتی ہیں' چنانچہ ہمارے سپاہی اور عہدیدار بھاگے جاتے ہیں کہ ہمارا نام نکل آئے۔ یہ سب کچھ ہمارے لئے ایک دھوکہ اور فریب سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

بھارت کے ساتھ مصالحت ـــــــ وقت کا تقاضا

جیسا کہ میں نے عرض کیا' بھارتی حکومت سمجھتی ہے کہ وہ کشمیر کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتی۔ مسئلہ کشمیر میں جان کشمیریوں نے خود ڈالی ہے۔ اِس وقت کشمیر کی تحریکِ حریت دراصل جہادِ افغانستان کا "Fallout" ہے۔ امریکہ کو کامیابی ہوئی' روس بھاگ گیا لیکن وہیں سے کشمیر کے اندر تحریک بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں ایک ایسی بات کہہ رہا ہوں جس

کے بارے میں مجھے اندیشہ ہے کہ شاید اس ہال میں دس فیصد لوگ بھی میری اس بات کے ساتھ اتفاق نہ کریں۔ بلکہ اتفاق تو دور کی بات ہے، شاید ہمدردی سے سوچنے کے لئے بھی تیار نہ ہوں۔ لیکن میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ جو بات میرے پیش نظر میں آپ کے سامنے رکھوں۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ گفتگو کا دروازہ کھلے۔ ہم حکومت کے ساتھ ہیں نہ اپوزیشن کے ساتھ۔ الیکشن کو ہم نے اپنے لئے شجر ممنوعہ بنایا ہوا ہے کہ ادھر ہم نے جانا ہی نہیں ہے۔ حافظ حسین احمد صاحب سے بھی مؤدبانہ عرض کروں گا کہ جب ہاتھ میں کچھ اختیار نہیں ہے تو کیوں خارجہ امور کی سٹینڈنگ کمیٹی کی صدارت قبول کر کے بے نظیر کا آلۂ کار بن رہے ہیں؟ یہ سوائے سیاسی مصلحتوں کے اور کیا شے ہے؟ اگر وہاں کچھ حاصل نہیں ہے تو کاہے کے لئے الیکشن لڑتے ہیں اور کھکھیڑ مول لیتے ہیں، جبکہ نہ پارلیمنٹ کے پاس کچھ ہے نہ ہی حکومت کے پاس۔ نہ بے نظیر کے پاس کچھ ہے نہ ہی نواز شریف کے پاس۔ کیوں نہیں کسی انقلابی جدوجہد کے لئے میدان میں آتے؟ اس الیکشن کی سیاست پر تین حرف یعنی طلاقِ مغلظ بھیج کر واپس کیوں نہیں آتے؟ اللہ کرے کہ آپ کا دل اس کے لئے کھل جائے۔ علیحدہ گفتگو میں سب مانتے ہیں کہ الیکشن سے کچھ نہیں ہو گا، لیکن غالباً ع "چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی!"

مجھے اندیشہ ہے کہ میرے خلاف طوفان اٹھے گا، لیکن میں عرض کروں گا کہ اِس وقت آپ کو چاہئے کہ بھارتی حکومت کو کوئی "FaceSaving" دیں۔ دنیا میں بھارت کو ایک جمہوریت تسلیم کیا جاتا ہے۔ وہاں بہت مضبوط اپوزیشن موجود ہے جو اس کو ہلنے نہیں دے گی۔ اگر وہ کچھ کرنا بھی چاہتے ہیں تو انہیں معلوم ہے کہ بی جے پی جیسی اپوزیشن وہاں موجود ہے۔ اس حوالے سے جو ان کی شرائط ہیں کہ پہلے کچھ دیگر معاملات پر گفتگو کرنی چاہئے، فضا کو کچھ ہموار بنانا چاہئے تاکہ باہم بیٹھ کر ہم گفتگو کر سکیں، میں سمجھتا ہوں اس ضمن میں ہمیں صلح حدیبیہ کی مثال سامنے رکھنی چاہئے۔ ایک وقت میں کچھ نرمی دکھانا ہی کامیابی کی بہت بڑی دلیل بن جاتی ہے۔ صلح حدیبیہ میں حضور ﷺ نے کفارِ مکہ کے ساتھ جو مصالحت کی تھی وہ کس قدر غیر مساویانہ تھی۔ اس پر مسلمانوں کے خون کھول رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کا ردِ عمل بھی کافی شدید تھا۔ میرے علم میں کوئی [illegible]

حضور ؐ کے ساتھ نہ ہوں، لیکن اس موقع پر وہ بھی ساتھ نہیں تھے۔ کیونکہ جب حضور ﷺ نے فرمایا کہ اب احرام کھول دو اور یہیں قربانیاں دے دو تو ایک بھی صحابی نہیں اٹھا۔ گویا حضرت ابوبکرؓ بھی نہیں اٹھے۔ دوبارہ کہا تو کوئی نہیں اٹھا، تیسری بار کہا تو بھی کوئی نہیں اٹھا۔ اس کے بعد آپ ؐ دل گرفتہ ہو کر خیمے میں تشریف لے گئے اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میں نے مسلمانوں سے کہا ہے کہ قربانیاں دے دو لیکن کوئی ایک بھی نہیں اٹھا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ یا رسول اللہ ؐ آپ کسی سے کچھ نہ کہئے، بلکہ جا کر اپنا احرام کھول دیجئے اور قربانی دے دیجئے۔ جب یہ ہو گیا تو سب اٹھ گئے۔ اس یک طرفہ شرائط والی صلح کو قرآن حکیم میں "اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا" کہا گیا ہے۔ میں اس وقت ایک سو برس کی نفسیات کے خلاف بات اس لئے کر رہا ہوں کہ اگر میرے سامنے "اھوَنُ البَلِیّتَین" کا بھی کوئی فلسفہ ہے تو دوسری طرف "Jew World Order" ہے، جبکہ امریکہ محض اس کا آلۂ کار ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنی خارجہ حکمت عملی پر نظرثانی کرنی چاہئے۔ ہمیں اپنے علاقے کی بنیاد پر معاملہ کرنا ہو گا ورنہ امریکہ ایک ایک کو تنہا کر کے "Tackle" کرے گا۔ ایران اور پاکستان اس کی ہٹ لسٹ پر ہیں۔ اگر پاکستان اس کا آلۂ کار بن جائے تو پھر اسے کاہے کو مارنا ہے۔ پھر تو اسے ہر صورت برقرار رکھنا ہے اور اس کے ذریعے دوسروں کو شکار کرنا ہے۔ مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ ایران نے پیشکش کی ہے کہ اگر آپ ہمیں اپنی ایٹمی ٹیکنالوجی دے دیں تو وہ ۵۰ ملین ڈالر دینے کو تیار ہے۔ لیکن اگر ہم یہی طے کرتے ہیں کہ ہم نے انہی سے سودی قرضے لینے ہیں، آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک ہی سے جا کر بھیک مانگنی ہے تو بات دوسری ہے، ورنہ ایران کے پاس تیل جیسی دولت موجود ہے جو وہ آپ کو برآمد کر سکتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ آج کے دور میں تیل سب سے بڑی شے ہے۔ آپ توانائی کے بحران کی طرف جا رہے ہیں۔ ایران کا تیل بلیک ہو کر بلوچستان میں بہت سستے داموں بک رہا ہے۔

ایران کے علاوہ بھارت کے ساتھ بھی ہماری کوئی مفاہمت ہو، اسی طریقے سے چائنا کے ساتھ ہو، پھر سینٹرل ایشیا کی ریاستیں بھی ادھر آئیں گی۔ جو ہماری "ECO" بنی تھی وہ بھی بالکل بکھر کر رہ گئی ہے۔ یہ تمام معاملات اس حوالے سے بڑے سنجیدہ غور و فکر کے

مستحق ہیں۔ بھارت کے ساتھ مصالحت سے اسلام کی تبلیغ کا بھی بہت بڑا موقع ہاتھ آئے گا جو اور کہیں نہیں ہے۔ اٹھارہ کروڑ مسلمان وہاں موجود ہیں' کچھ سہارا انہیں بھی ملے۔ کچھ آزادانہ آمدورفت ہو۔ ہمارے پاس قرآن کی بہت بڑی طاقت موجود ہے' یہ عصائے موسیٰؑ سے بڑھ کر معجزہ ہے' جس کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا تھا۔

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی
شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی
اے چوں شبنم بر زمین افتدۂ
در بغل داری کتابِ زندۂ

لہٰذا قرآن کی طرف ہمارا رجوع ہو' جاگیرداری کے خلاف آواز بلند کی جائے اور خلافت کا ماڈل یہاں قائم کیا جائے۔ جب تک یہاں پر جاگیرداری کا جنازہ نہیں نکلے گا کوئی خیر برآمد نہیں ہو سکتا۔ یہاں کی ام الخبائث سود اور جاگیرداری ہیں۔ باقی آپ محض عبادات کا نظام لئے پھریں تو دنیا کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اسلام نے بھی آپ کو عبادات اس لئے دی ہیں کہ آپ میں طاقت پیدا ہو تاکہ آپ انقلاب برپا کر سکیں۔ "اِسْتَعِيْنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے! کس چیز کے لئے؟ "لِتَكُوْنُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" تاکہ تم پوری انسانیت کے لئے گواہ بن کر کھڑے ہو جاؤ۔ اور آپ یہ گواہی اس وقت تک نہیں دے سکیں گے جب تک دنیا کے سامنے ایک نمونہ پیش نہیں کریں گے' اس لئے کہ یہ نظام ہی دراصل حضور ﷺ کی رحمتٌ لِلعالمین کا سب سے بڑا مظہر ہے۔

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ

تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن پڑھیں اور پڑھائیں

الھدٰی قسط : ۹۱

مدنی دور کے آغاز میں

اہلِ ایمان کو پیشگی تنبیہہ (۲)

(مباحثِ صبر و مصابرت' درس ۴)

(گزشتہ سے پیوستہ)

اس کے بعد اب فرمایا جا رہا ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۚ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ ۝

"اور مت کہو ان کو جو قتل ہو جائیں اللہ کی راہ میں کہ وہ مردہ ہیں' بلکہ وہ تو زندہ ہیں' لیکن تمہیں اس کا شعور حاصل نہیں ہے"۔

یہ مضمون سورۂ آل عمران میں بڑے مؤکد انداز میں پھر دہرایا گیا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۚ بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ فَرِحِينَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

"اور ہرگز گمان نہ کرنا ان کے بارے میں کہ جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں کہ وہ مردہ ہیں' نہیں وہ زندہ ہیں' اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں' فرحاں و شاداں ہیں اس (انعام و اکرام) سے کہ جو اللہ نے اپنے فضل سے انہیں عطا فرمایا اور خوشخبریاں حاصل کر رہے ہیں ان لوگوں کے بارے میں کہ جو ابھی ان کے ساتھ شامل نہیں ہوئے ان کے پیچھے سے' کہ نہ ان پر کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں

گے۔ خوشخبری حاصل کر رہے ہوں گے اللہ کے انعام اور اس کے فضل پر۔ اور اللہ تعالیٰ مومنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔"

قرآن میں لفظ 'شہید' کا استعمال

یہاں ضمنی طور پر اس حقیقت کی طرف توجہ دلا دینا یقیناً مفید ہو گا کہ قرآن حکیم میں اگرچہ لفظ شہید کا استعمال متعدد مقامات پر ہوا ہے اور "شہادت" قرآن حکیم کی ایک اہم اصطلاح ہے لیکن مقتول فی سبیل اللہ کے لئے قرآن لفظ شہید استعمال نہیں کرتا۔ اس میں استثناء صرف ایک ہے اور وہ ہے سورۂ آل عمران کی آیت ۱۴۰۔ وہاں "وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ" میں لفظ "شُهَدَاء" کو اگر مقتولین فی سبیل اللہ کے معنی میں لیا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ دیگر تمام مقامات پر مقتول فی سبیل اللہ کے لئے اس لفظ کا استعمال ہمیں قرآن میں نہیں ملتا۔ یہاں تک کہ خود نبی اکرم ﷺ کے بارے میں بھی سورۂ آل عمران میں جہاں یہ مضمون آیا ہے وہاں بھی شہید ہو جانے یا شہادت پا جانے کے لئے "قُتِلَ" کا لفظ ہی صیغۂ مجہول میں آیا ہے:

"وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ"

"محمد (ﷺ) اللہ کے ایک رسول ہیں' ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں' تو اگر ان کا انتقال ہو جائے یا وہ اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے؟"

ایک حدیث میں جس میں آنحضور ﷺ نے اپنے لئے شہادت کی تمنا کا اظہار فرمایا ہے' وہاں بھی اس ضمن میں "قتل فی سبیل اللّٰه" کے الفاظ ہی وارد ہوئے ہیں:

"وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ 'لَوَدِدْتُ اَنِّىْ اُقَاتِلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ' فَاُقْتَلُ ' ثُمَّ اُحْيَا ' ثُمَّ اُقْتَلُ ' ثُمَّ اُحْيَا ' ثُمَّ اُقْتَلُ"

(رواہ البخاری ؒ عن ابی ہریرہؓ)

"اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے' میری دلی تمنا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جنگ کروں اور قتل ہو جاؤں' پھر مجھے زندہ کیا جائے' پھر مقتول ہو جاؤں

(اللہ کی راہ میں) اور پھر مجھے زندہ کیا جائے اور پھر قتل کر دیا جاؤں۔"

ذہن میں رکھئے کہ قرآن مجید میں لفظ شہادت کا استعمال اصلاً دینِ حق کی گواہی دینے کے لئے ہے۔ اللہ کے خالق و مالک ہونے کی گواہی، اللہ کی توحید کی گواہی، محمد ﷺ کی صداقت اور رسالت کی گواہی (عمر دے تو بھی محمدؐ کی صداقت کی گواہی)، آخرت کے حق ہونے کی گواہی، خیر کی گواہی، قرآن کی حقانیت کی گواہی -- اور یہ گواہی صرف اپنے قول سے ہی نہیں عمل سے بھی دینی ہے۔ یہ ہے ہر مسلمان کا فرض اور اس کے لئے قرآن کی اصطلاح ہے "شہادت علی الناس" جو تمام مسلمانوں کا فرضِ منصبی ہے بحیثیت امتِ مسلمہ۔ اس لفظِ شہادت کو قرآن مجید نے اس معنی کے لئے خاص کیا ہے۔ تاہم احادیث میں مقتول فی سبیل اللہ کے لئے لفظ شہید کا استعمال بھی مل جاتا ہے۔ اس لئے ان دونوں الفاظ میں اس اعتبار سے ایک گہرا معنوی ربط موجود ہے کہ جس شخص نے حق کے غلبے کی اس جدوجہد میں اپنی جان اللہ کی راہ میں قربان کر دی اس نے گویا کہ آخری درجے میں شہادت دے دی، دین کی خاطر اپنی زندگی دے کر گویا اپنی جان سے دین حق کی گواہی دے دی۔ اب وہ شہید (گواہ) کہلانے کا بتمام و کمال مستحق ہو گیا۔

شہداء کی برزخی حیات!

آیت کے آخری ٹکڑے میں شہداء کی زندگی کے بارے میں "وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ" کے الفاظ میں ہمارے لئے بڑی اہم رہنمائی مضمر ہے۔ شہداء کو اللہ جس نوع کی حیات عطا فرماتا ہے اور برزخی زندگی میں بھی جس طور سے انہیں رزق مہیا فرماتا ہے اس تک ہمارے فہم و ادراک کی رسائی نہیں ہے، اس دنیا میں رہتے ہوئے ہم اس کی کیفیت کو نہیں جان سکتے۔ بدقسمتی سے برزخی زندگی کے حوالے سے مسلمانوں میں ایک مذہبی بحث (CONTROVERSY) نے بڑی ہی شدت اختیار کی ہوئی ہے۔ اس کے بارے میں ایک بڑی بنیادی رہنمائی ہمیں اس آیت سے ملتی ہے۔ وہ بحث یہ ہے کہ عالمِ برزخ میں نبی اکرم ﷺ کی حیات کی نوعیت کیا ہے، اپنی قبر شریف میں آنحضور ﷺ کس حال میں ہیں!!! ---- یہ مسئلہ ہمارے مذہبی حلقوں میں نامعلوم کیونکر بحث و تمحیص،

قیل و قال اور ردوقدح کا موضوع بن گیا۔ حالانکہ ہمیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے اور یہ قرآن حکیم کی بنیادی حقیقتوں میں سے ایک حقیقت ہے کہ موت خاتمے کا نام نہیں ہے' نہ کسی مومن کے لئے نہ کافر کے لئے۔ اِدھر آنکھ بند ہوتی ہے تو دوسرے عالم میں کھل جاتی ہے۔ یہ عالمِ برزخ ہے جس کا تسلسل قیامت تک رہے گا۔ اس برزخی دور میں ایک نوع کی حیات تمام انسانوں کے لئے ہے۔ اس برزخی حیات کا مرحلہ کافروں کے لئے بھی ہے اور مومنین کے لئے بھی' تاہم زندگی کی کیفیات مختلف ہیں۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر قبر یا تو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ یہاں قبر سے مراد مٹی کا وہ ڈھیر نہیں جس کے نیچے انسان مدفون ہوتا ہے بلکہ یہاں یہ اپنے وسیع تر مفہوم میں ہے اور اس سے مراد عالمِ برزخ ہے۔ چنانچہ خواہ کوئی شخص سمندر میں غرق ہو کر مرا ہو عالم برزخ میں وہ ایک خاص کیفیت سے گزرتا ہے' اس کے آخری انجام کا ایک عکس پڑتا رہتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ابو جہل یا ابولہب کے ساتھ عالمِ برزخ میں جو معاملہ ہو رہا ہے وہ کچھ اور ہے اور کوئی مسلمان عالم برزخ میں جس کیفیت سے گزر رہا ہے وہ کچھ اور ہے' کوئی مومنِ صالح وہاں کسی اور کیفیت میں ہو گا' شہداء کا کچھ اور عالم ہو گا اور صدیقین کی شان کچھ اور ہو گی' انبیاء و رسل کا مرتبہ و مقام کچھ اور ہو گا اور سید المرسلین' سید الاولین والآخرین ﷺ اس عالم برزخ میں جس شان میں ہوں گے وہ ہمارے فہم اور تصور سے ماوراء ہے' بلکہ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے۔ جب ہم شہداء کی برزخی زندگی کا کوئی تصور قائم نہیں کر سکتے اور اس کی نوعیت کا تعین نہیں کر سکتے' جیسا کہ قرآن نے صاف طور کہہ دیا ہے: "وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ" کہ تمہیں اس کا شعور حاصل نہیں ہے تو نبی اکرم ﷺ کی برزخی حیات کے بارے میں کوئی تصور کرنا ہمارے لئے قطعاً ناممکن ہے۔ یہ چیز ہمارے فہم و شعور اور تخیل و ادراک کی گرفت میں آنے والی ہے ہی نہیں۔ اس معاملے میں بحث کرنا ہی دراصل اپنی حدود سے تجاوز کرنا ہے۔ یہ کہنا کہ حضور ﷺ بالکل اسی طرح زندہ ہیں جیسے کہ اس دنیا میں زندہ تھے' ایک اعتبار سے شاید آپؐ کی توہین قرار پائے' اس لئے کہ یہ دنیا کی زندگی تو بہت سی احتیاجات کے ساتھ ہے' اس میں طرح طرح کی تحدیدیں ہیں' عالم برزخ میں نبی اکرم ﷺ کو جو حیات حاصل ہے

وہ یقیناً اس سے کہیں اعلیٰ کہیں ارفع ہے، جو ہمارے فہم اور ہماری سوچ سے بہت بلند اور بالا ہے۔ بہرحال اس معاملے میں خواہ مخواہ کسی چیز کو معین کر کے اس پر جھگڑنا اور اس کی بنیاد پر "من دیگرم تو دیگری" کے انداز میں تفریق پیدا کر لینا درحقیقت بڑی ہی نادانی کی بات ہے۔

ابتلاء و آزمائش — اس راہ کی شرطِ لازم

اب آیئے اصل سلسلۂ کلام کی طرف۔ اگلی آیت میں وہ پیشگی تنبیہہ آ رہی ہے جس کا حوالہ گفتگو کے آغاز میں دیا گیا تھا:

"وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ"

"اور (اے مسلمانو) ہم لازماً آزمائیں گے تمہیں کسی قدر خوف سے اور بھوک سے اور مال اور جان اور ثمرات کے نقصان سے۔"

اس سے قبل سورۃ العنکبوت کے درس کے ضمن میں عرض کیا جا چکا ہے کہ عربی زبان میں یہ تاکید کا انتہائی اسلوب ہے کہ فعلِ مضارع سے قبل لامِ مفتوح اور آخر میں نونِ مشدّد کا اضافہ کر دیا جائے۔ یہی انداز ہمیں اس آیت میں ملتا ہے۔ چنانچہ "وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ" کا ترجمہ ہو گا: ہم لازماً آزمائیں گے تمہیں، ہم آزمائشوں کی کٹھالیوں میں تمہیں ڈالیں گے، تمہارے صبر و مصابرت کا بھرپور امتحان ہو گا، نہایت کٹھن حالات سے تمہیں گزرنا ہو گا جن کے ذریعے جانچ لیا جائے گا کہ تم کتنے پانی میں ہو، یہ بات خوب نکھر کر سامنے آ جائے گی کہ ذاتِ باری تعالیٰ پر فی الواقع تمہیں کتنا یقین حاصل ہے، حیات بعد الممات پر کتنا کچھ ایمان ہے، محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر تم کیا کچھ قربان کر سکتے ہو، اللہ کی راہ میں اگر تم آئے ہو تو تحفّظات (RESERVATIONS) کے ساتھ تو نہیں آئے؟ آزمائشوں اور امتحانات سے جب تمہیں سابقہ پیش آئے گا تو ان میں سے ایک ایک چیز واضح ہو جائے گی۔

"بَلَا يَبْلُوا" کے معنی ہیں جانچنا اور پرکھنا۔ یہ لفظ لغت میں بنیادی طور پر گوشت کو آگ پر سینکنے کے مفہوم میں آتا ہے۔ اس سینکائی کے عمل میں گوشت کو انگاروں پر الٹا پلٹا جاتا ہے، ابھی اس رخ پر ڈالا ہے، پھر ذرا پلٹ کر دوسرے رخ پر ڈال دیا۔ یہ ہے اس لفظ

کی اصل۔ تمہیں بھی مختلف حالات سے دوچار کر کے سینکا جائے گا' تمہیں آزمایا جائے گا' جانچا اور پرکھا جائے گا۔ البتہ اس آیتِ مبارکہ میں "بِشَیۡءٍ" کا ایک لفظ ایسا آیا ہے جس میں تسلی کا پہلو موجود ہے کہ بظاہر تو امتحانات بڑے کٹھن ہوتے ہیں' ایک بار تو انسان دہل کر رہ جاتا ہے لیکن اگر وہ ثابت قدم رہے تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بھی نہیں تھا۔ بظاہر ایک خوفناک صورت حال سامنے آتی ہے لیکن اگر انسان ڈٹا رہے تو پتہ چلتا ہے کہ بس ایک ریلا تھا حالات کا' آیا اور گزر گیا۔ دیکھنے والے اس آزمائش کی ظاہری شدّت سے متأثر اور مرعوب ہوں گے لیکن صبر و ثبات کے ساتھ اس آزمائش سے گزرنے والوں کو یوں محسوس ہو گا کہ جیسے بڑی ہی ہلکی سی کوئی بات تھی کہ جو ہو گئی۔ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَ الۡجُوۡعِ.....

ذہن میں رکھئے کہ یہ آیات مدنی دور کے بالکل آغاز میں نازل ہو رہی ہیں۔ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے ان آخری دس سالوں پر جو آپؐ نے مدینہ میں گزارے' اگر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی جائے تو اس آیت کی عظمت کا مزید انکشاف ہوتا ہے کہ اس پورے مدنی دور میں کس طرح وہ حالات وقفے وقفے سے پیدا ہوتے رہے جن کا پورا نقشہ ایک پیشگی تنبیہہ کے طور پر ان آیات میں کھینچ دیا گیا ہے۔ خوف و خدشات ہوں گے' جان و مال کے اندیشے ہوں گے' بھوک اور پیاس سے سابقہ پیش آئے گا' فاقہ کشی کے باعث جان نکلتی ہوئی محسوس ہو گی' جان و مال اور ثمرات کا نقصان اٹھانا پڑے گا' اس راہ میں یہ سارے مراحل آئیں گے۔

لفظ 'ثمرات' کا وسیع تر مفہوم

"ثمرات" کا لفظ یہاں بہت ہی قابلِ توجہ ہے۔ ثمرات کا عام مفہوم لیا گیا ہے پھل۔ اس اعتبار سے ترجمہ یہ بنتا ہے کہ پھل ضائع ہو جائیں گے۔ مدینہ منورہ کے مخصوص معاشرتی پس منظر میں یہ مفہوم بجا طور پر سمجھ میں آتا ہے۔ اہلِ مدینہ بنیادی طور پر کاشتکار تھے' زراعت ان کا پیشہ تھا۔ زراعت کے میدان میں جو محنت بھی کی جاتی ہے' ہل چلایا جاتا ہے' کھیت کی آبیاری کی جاتی ہے' اس ساری محنت کا حاصل چونکہ وہ فصل ہے جو آخر میں

کاٹی یا اتاری جاتی ہے اور تمام امیدیں چونکہ اس فصل کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں لہٰذا اگر فصل اجڑ جائے تو نقصان بہت شدید ہوتا ہے اور یہ آزمائش کی بڑی کٹھن صورتوں میں سے ایک ہے۔ غزوۂ احزاب اور غزوۂ تبوک کے مواقع پر اس نوع کے امتحان سے مسلمانوں کو سابقہ پیش آیا تھا۔ فصلیں تیار ہیں' لوگ اس امید میں ہیں کہ فصلیں اتاریں گے' اپنی محنتوں کی کمائی کو گھروں میں لائیں گے' عین اس وقت حملہ ہوتا ہے' باغات اجاڑ دیئے جاتے ہیں یا حکم ہوتا ہے کہ تیار فصلوں کو چھوڑ کر جہاد کے لئے نکلو' اور روقت پر فصلیں اتار نہ سکنے کے باعث فصل ضائع ہو جاتی ہے' یہ تمام آزمائش کی صورتیں ہیں جن سے مسلمان مدینہ میں گزرتے رہے ہیں۔ البتہ "ثمرات" کا لفظ اس سے زیادہ وسیع ہے۔ انسانی محنت خواہ کسی بھی میدان میں ہو' اس کا حاصل دراصل اس کا ثمرہ ہے۔ کسی نے بڑی محنت کر کے کاروبار جمایا ہے' اب دین کی طرف سے پکار آتی ہے کہ آؤ اور صاف نظر آ رہا ہے کہ دین کی طرف آنے میں کاروبار کا نقصان ہے تو یہ آزمائش بڑی کڑی ہے۔

تیجی راہیں مجھ کو پکاریں
دامن پکڑے چھاؤں گھنیری

وہ محنت سے جمایا ہوا کاروبار پاؤں میں بیڑی بن کر پڑ جاتا ہے۔ کسی نوجوان نے بڑا وقت لگا کر اور بڑی محنت سے کسی کیریئر (CAREER) میں اپنا کوئی مقام حاصل کیا ہے اور اب دین کے تقاضے سامنے آتے ہیں' دین کا تقاضا اس پر واضح ہوتا ہے کہ آؤ اور کھپاؤ اپنے آپ کو غلبہ و اقامتِ دین کی راہ میں۔ وہ کیریئر اور وہ PROFESSION اب انسان کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتا ہے' اسے صاف نظر آ رہا ہے کہ اس طرح اس کی اب تک کی ساری محنت ضائع ہوتی ہے۔

سورۃ الکہف کے ایک مقام سے اگر روشنی حاصل کی جائے تو اولاد بھی انسان کا ثمرہ ہے' یہ بھی درحقیقت ایک اعتبار سے اس کی کمائی ہے۔ انسان کو اگر ایک درخت سے تعبیر کیا جائے تو اس کا پھل اس کی اولاد ہے۔ نگاہوں کے سامنے اگر اس کی اولاد اللہ کی راہ میں قربان ہو رہی ہو تو گویا یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے انسان کا ثمر اس کی نگاہوں کے سامنے اجڑ رہا ہے اور یہ آزمائش کی نہایت کٹھن صورت ہے۔ یہاں متنبہ کر دیا گیا کہ اے مسلمانو یہ

سارے امتحان اب آئیں گے: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ

آیت کے آخری ٹکڑے پر اپنی توجہ کو مرکوز کیجئے۔ فرمایا: "وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ"۔ اے نبی بشارت دیجئے صبر کرنے والوں کو۔ ان کو کہ جو ان تمام آزمائشوں اور مصائب و تکالیف کو پامردی کے ساتھ جھیل جائیں، برداشت کر جائیں۔ (جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆

امتحانات سے فارغ طلبہ کے لئے مرکزی انجمن کے زیر اہتمام

اسلامک جنرل نالج ورکشاپ

کا انعقاد

○

۲۸ مئی ۹۴ء تا ۷ جولائی ۹۴ء

بمقام قرآن کالج، ۱۹۱۔ اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

☆ داخلہ فارم جمع کرانے کی آخری تاریخ ۲۶ مئی ہے۔

☆ داخلہ فارم اور مزید تفصیلات کے حصول کے لئے

قرآن کالج انتظامیہ سے رابطہ کریں۔ فون: 5833637

نوٹ: ہاسٹل میں رہائش کی بہت محدود گنجائش ہے

المعلن: پرنسپل قرآن کالج لاہور

تفکر و تذکر

"نیو ورلڈ آرڈر" کی اصل حقیقت اور ـــــ مسیح دجال کا خروج

ـــــــ از: ڈاکٹر اسرار احمد ـــــــ

حفیظ جالندھری مرحوم نے اپنی مشہور نظم "رقاصہ" کا آغاز مغرب سے اٹھنے والی گھٹا کے ذکر سے کیا ہے۔ انہوں نے تو کسی اور "موسم" کی گھٹا کا تذکرہ کیا تھا' لیکن واقعہ یہ ہے کہ گزشتہ پانچ سو برس سے کرۂ ارضی کا وہ علاقہ جسے عرف عام میں "مشرق" کہا جاتا ہے مغرب سے اٹھنے والی طوفانی انداز کی استعماری گھٹاؤں کی زد میں ہے! (حقیقت یہ ہے کہ مشرق اور مغرب کے الفاظ کا استعمال اب صرف "عرف" کے درجہ ہی میں ہے' ورنہ اقبال اور اکبر الٰہ آبادی کے ان اشعار کے مصداق کہ ۔

"زمانہ ایک' حیات ایک' کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری قصّۂ قدیم و جدید!"

اور ۔

"اسی حیرت میں عمریں کٹ گئیں اصحابِ دانش کی
کسے اللہ کہیئے اور کس کو ماسوا کہیئے!"

یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ اس مسلسل گردش میں رہنے والی زمین کا' جسے کبھی احمد ندیم قاسمی نے "فضا کی رقاصہ" کا نام دیا تھا' مشرق کون سا ہے اور مغرب کون سا' اس لئے کہ کم از کم خطِ سرطان اور خطِ جدی کے مابین تو زمین کا ہر نقطہ کسی نہ کسی وقت مشرق بھی ہوتا ہے اور مغرب بھی! یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم چھ مرتبہ تو مشرق اور مغرب کے الفاظ استعمال کرتا ہے' صرف ایک بار مَشْرِقَیْن اور مَغْرِبَیْن یعنی دو مشرقوں اور دو مغربوں کا ذکر کرتا ہے' اور تین بار مَشارِق اور مَغارِب یعنی بہت سے مشرقوں اور

مغربوں کا!)

بہر حال ماضی قریب تک "مغرب" کا اطلاق صرف یورپ پر ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ تاریخی اعتبار سے اب سے لگ بھگ پانچ سو برس قبل پہلی استعماری گھٹاویں سے اٹھی تھی۔ جب مسلم اسپین کی یونیورسٹیوں سے فیضیاب ہونے کے باعث یورپ میں علم و دانش اور تحقیق و جستجو کا بازار گرم ہوا اور عام بیداری کی لہر دوڑ گئی تو اس کے نتیجے میں جو "قوت کا دباؤ" پیدا ہوا اس نے سب سے پہلے تو عربی زبان کی کہاوت کہ "سَمِّنْ کَلْبَکَ یَاْکُلُکَ" یعنی "اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرو گے تو ایک روز وہ خود تم ہی کو پھاڑ کھائے گا" کے مصداق خود مسلم اسپین کو ہڑپ کیا' اور پھر جب ایک جانب واسکوڈی گاما نے (۱۴۹۸ء) میں "راس امید" کا چکر کاٹ کر مشرق پر حملہ آور ہونے کا راستہ دریافت کر لیا اور دوسری جانب کولمبس نے بھی اسی زمانے کے لگ بھگ مزید مغرب کی جانب پیشقدمی کر کے امریکہ کو "دریافت" کر لیا تو یہ استعماری سیلاب بیک وقت ان دونوں سمتوں میں بڑھا۔ (واضح رہے کہ یہ سیلاب شمالی افریقہ یا مغربی ایشیا کا رخ اس لئے نہیں کر سکتا تھا کہ وہاں عظیم سلطنتِ عثمانیہ ایک طاقتور محافظ کی حیثیت سے کھڑی تھی!) پھر چونکہ امریکہ میں تو تہذیبی اور تمدنی اعتبار سے ایک خلا کی سی کیفیت تھی لہٰذا اسے تو اس یورپی استعمار نے پوری طرح "ہضم" کر کے صد فیصد یورپین بنا لیا' چنانچہ آج کا اصل "مغرب" وہی ہے۔ البتہ مشرق میں اسے بھرپور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ تاہم یہاں بھی اس کا تسلط مشرقِ بعید سے شروع ہو کر رفتہ رفتہ مشرقِ وسطیٰ اور پھر مشرقِ قریب کی جانب بڑھا۔ چنانچہ یہ عمل لگ بھگ چار سو سال میں اس صدی کے آغاز میں اُس وقت مکمل ہوا جب پہلی جنگ عظیم کے بعد عظیم سلطنتِ عثمانیہ بھی صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ گئی اور پورا مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ بھی یورپی استعماری قوتوں کے زیرِ نگیں آ گیا!

تاہم قدرت کے کھیل بھی عجیب ہیں۔ چنانچہ کم از کم ان علاقوں یعنی مغربی ایشیا اور شمالی افریقہ کی حد تک تو مغرب کا استعمار ع "آ کے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی

گئے!" کا مصداقِ کامل ثابت ہوا۔ یعنی جب دوسری عالمگیر جنگ میں یورپ کی استعماری قوتیں الفاظِ قرآنی "وَیُذِیقَ بَعْضَکُمْ بَأْسَ بَعْضٍ" (الانعام: ۶۵) یعنی "تمہیں چکھائے ایک دوسرے کی قوت کا مزہ!" اور "وَتَرَکْنَا بَعْضَهُمْ یَوْمَئِذٍ یَمُوجُ فِی بَعْضٍ" (الکہف: ۹۹) یعنی "اُس دن چھوڑ دیں گے ہم ان کو ایک دوسرے سے دست و گریبان ہونے کو!" کے مصداق باہم ایک دوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں تو "پرانا مغرب" اپنا استعماری بستر لپیٹنے پر مجبور ہو گیا۔ تاہم جس طرح ٹرائے کی جنگ میں ایک عظیم یونانی جرنیل کی ہلاکت پر ایک دوسرے یونانی جرنیل نے کہا تھا: "یہ یونان کی بہادری کا خاتمہ تو یقیناً ہے لیکن یونان کی عیاری کا ہرگز نہیں!" (چنانچہ اسی کے بعد لکڑی کے گھوڑے والی چال چلی گئی تھی!) اسی طرح یورپ کی کمزوری کا مطلب مغربی استعمار کا خاتمہ ہرگز نہیں تھا۔ چنانچہ یورپی استعمار کے سورج کے غروب ہوتے ہی "نئے مغرب" یا "نئے یورپ" یعنی امریکہ سے نئی استعماری گھٹا اٹھی۔ (واضح رہے کہ امریکہ میں بہت سے علاقوں اور شہروں کے نام یورپ ہی کے ناموں پر رکھے گئے ہیں اور وہاں کی اصل آبادی یورپ کے "آباد کاروں" ہی پر مشتمل ہے! یہاں تک کہ پچیس کروڑ سے بھی زائد آبادی کے ملک ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں وہاں کی قدیم نسل کے لوگوں کی تعداد ۱۹۹۳ء کے انٹرفیتھ کیلنڈر شائع شدہ شکاگو کے مطابق صرف بیس لاکھ رہ گئی ہے!) یہ نیا استعماری طوفان ایک جانب خلیج کی جنگ اور دوسری جانب سوویت یونین کے خاتمے کے بعد اب "اَنَا وَلَا غَیْرِی!" کے نقطۂ عروج کو پہنچ گیا ہے۔ اور طاقت کے نشے سے پوری طرح سرشار ہو کر نہایت تیزی و تندی کے ساتھ اور حد درجہ تہدیدی اور جارحانہ انداز میں "نیو ورلڈ آرڈر" کے عنوان سے "کُل عالمی استعمار" کی جانب بڑھ رہا ہے!

اس نئے عالمی استعمار کے اصل مقاصد کیا ہیں؟ اور یہ اِس وقت ـ

"کون سی وادی میں ہے، کونسی منزل میں ہے
عشقِ بلا خیز کا قافلۂ سخت جاں!"

کے مصداق کس مقام پر ہے؟ مزید بر آں اس کا آخری حشر کیا ہو گا؟ اور سرِدست اسے اصل چیلنج کدھر سے درپیش ہے؟ ان سوالات پر غور کرنے سے قبل اس کی اصل حقیقت کو سمجھ لینا ضروری ہے!

اس سلسلے میں پہلے ایک تشبیہ ذہن نشین کر لیں۔ قرآن حکیم نے ایک سے زائد مقامات پر پانی کو "مبدءِ حیات" یعنی زندگی کا سرچشمہ قرار دیا ہے چنانچہ کرۂ ارضی کے لگ بھگ تین چوتھائی حصے پر تو یہ سمندروں کی صورت میں اظہر من الشمس ہے ہی' خشکی میں بھی یہ تین مختلف سطحوں پر بہتا ہے' اولاً: سطح زمین پر دریاؤں' ندیوں اور چشموں کی صورت میں' ثانیاً: سطح زمین سے تیس چالیس یا ستر اسی فٹ نیچے جسے ہم دستی نلکوں یا کنوؤں کے ذریعے نکال لیتے ہیں' اور ثالثاً: تین چار سو فٹ یا اس سے بھی زیادہ گہرائی میں جو صرف ٹیوب ویلز کے ذریعے نکالا جا سکتا ہے' البتہ ہوتا ہے نہایت صاف شفاف اور ہر آلودگی سے پاک! — بالکل یہی معاملہ اس "نیو ورلڈ آرڈر" کا ہے' یعنی اس کی ایک حقیقت تو نوشتۂ دیوار کی طرح بالکل نگاہوں کے سامنے ہے' دوسری ذرا گہرائی میں ہے جس کے لئے کسی قدر غور اور تامل کی ضرورت ہے' اور تیسری وہ "حقیقت الحقائق" ہے جس کے ادراک کے لئے ؏ "سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف!" کے مصداق قرآن اور حدیث کی بصیرت درکار ہے! بہرحال آیئے کہ اس تشبیہ یا تمثیل کے حوالے سے "نیو ورلڈ آرڈر" کی اصل حقیقت کو جدا جدا تینوں سطحوں پر سمجھنے کی کوشش کریں:

(ا) نوشتۂ دیوار کے مانند اس کی ظاہر و باہر حقیقت بھی تین امور پر مشتمل ہے' یعنی (i) ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو اِس وقت بلاشبہ کرۂ ارضی کی واحد سپر بلکہ سپریم پاور کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ چنانچہ اس کا برملا اور کھلم کھلا اعلان بھی امریکہ کے سابق صدر بش نے خلیج کی جنگ کے فوراً بعد کر دیا تھا۔ (ii) یو-این-او کی یہ حیثیت بھی اب بالکل مبرہن ہو چکی ہے کہ وہ اصلاً امریکی مفادات کا محافظ اور امریکہ کے مقاصد کے حصول کا آلۂ کار ہے۔ گویا اس کی اصلی حیثیت امریکی استعمار کے چہرے

کے نقاب سے زیادہ نہیں ہے۔ (iii) اسرائیل کی حفاظت اور سرپرستی کو امریکہ کے دین و ایمان کی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ اس حقیقت کا اعتراف بھی خلیج کی جنگ میں اتحادی افواج کے کمانڈر انچیف جنرل شوارز کراف نے سیاستدان کی بجائے "فوجی" ہونے کے ناتے ع "نکل جاتی ہے جس کے منہ سے سچی بات مستی میں!" کے مصداق جنگ کے فوراً بعد اپنے بیان میں کر لیا تھا کہ "ہم نے یہ جنگ صرف اسرائیل کے تحفظ کی خاطر لڑی!" اور اس سے بھی اہم تر بات یہ کہ امریکہ کے سابق صدر نکسن کی جو کتاب خلیج کی جنگ کے بعد شائع ہوئی یعنی "SEIZE THE MOMENT" اس میں انہوں نے بھی پوری صفائی کے ساتھ لکھ دیا ہے کہ اسرائیل کی حفاظت کو ہماری خارجہ پالیسی کے اہم ترین نکتے کی حیثیت حاصل رہنی چاہئے!

(۲) سطح زمین کے اوپر کے ان حقائقِ ثلاثہ کے مشاہدے کے بعد سطح سے ذرا نیچے اتر کر دیکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ یہ نیا عالمی استعمار دراصل پورے کرۂ ارض بالخصوص ایشیا اور افریقہ کے معاشی استحصال کے لئے عالمِ عیسائیت کا یہودیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ ہے۔ چنانچہ پرانے اور نئے دونوں مغربیوں نے مل کر مغربی ایشیا اور مشرقی افریقہ پر اپنے استعماری پنجے گاڑنے کے لئے اسرائیل کو بل ڈاگ کی حیثیت سے پال پوس کر تیار کیا ہے۔ واضح رہے کہ یہ علاقہ (جسے یورپ کے لحاظ سے مشرقِ قریب کہنا صحیح تر ہے' نہ کہ مشرقِ وسطیٰ!) کُل کا کُل مسلم اُمّہ پر مشتمل ہے اور اس میں زیادہ تر عرب اور کسی قدر ترک اور قبطی نسل کے لوگ آباد ہیں' اور صاف ظاہر ہے کہ امریکہ نے خلیج کی جنگ کے بعد اسرائیل کے سارے پڑوسی عرب ممالک کو عربوں کی سطوت و عظمتِ گزشتہ کے "قبرستان" یا بقول اقبال "تہذیبِ حجازی کے مزار" یعنی ہسپانیہ کے دارالخلافہ میڈرڈ میں اسرائیل کے سامنے "لائن حاضر" کر کے اس پورے علاقے کی چودھراہٹ اس کے حوالے کر دی ہے!

بادیٔ النظر میں یہ معاملہ محض سیاسی حکمتِ عملی کا مظہر نظر آتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کی تہہ میں نہایت گہری مذہبی مفاہمت بھی موجود ہے جس نے حال ہی میں

ایک باضابطہ گٹھ جوڑ کی صورت اختیار کرلی ہے۔ اس مذہبی مفاہمت کا ایک تدریجی عمل تو وہ ہے جو کئی صدیوں میں مکمل ہوا اور دوسرا اور اہم تر مرحلہ وہ ہے جو حال ہی میں پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے۔

چنانچہ اس کا طویل تدریجی مرحلہ تو یہ ہے کہ مسلم اسپین میں، جسے یہودی اپنے "دورِ انتشار کا عہدِ زرین" (Golden Period of Jewish Diaspora) قرار دیتے ہیں، مسلمانوں کی مذہبی رواداری سے فائدہ اٹھا کر یہودیوں نے مضبوطی کے ساتھ قدم جمائے اور وہاں سے جو علم و دانش کے سوتے وسطی یورپ کے ملکوں کی جانب بہہ رہے تھے ان میں ایک جانب آزاد خیالی کے عنوان سے اخلاقی و جنسی آوارگی کے جراثیم شامل کر کے یورپ کو اخلاقی طور پر کمزور کیا اور خصوصاً اس کے خاندانی نظام کو تہہ و بالا کر دیا۔ دوسری طرف "اصلاحِ مذہب" کی تحریک میں "وسیع المشربی" کی افیم شامل کر کے پروٹسٹنٹ مذہب کی حمایت حاصل کی۔ اور تیسری جانب آزاد معیشت کے حسین نعرے کے ذریعے سودی کاروبار کی اجازت حاصل کرلی۔ اور پھر اس کے ذریعے دیکھتے ہی دیکھتے پورے عیسائی یورپ کو اپنے معاشی شکنجے میں کس لیا، اور ان سب کے نتیجے میں پوری پروٹسٹنٹ عیسائیت اور خاص طور پر اس کے "وہائٹ اینگلو سیکسن پروٹسٹنٹ" عنصر کو (جس کا انگریزی مخفف WASP ہے!) اپنے سیاسی و ملی عزائم کی تکمیل، بالخصوص "ارضِ موعود" کی بازیافت کے لئے آلۂ کار بنالیا! جس کے نتیجے میں اولاً: ۱۹۱۷ء میں برطانیہ کے وزیرِ خارجہ بالفور کے اعلان کے ذریعے فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری کا آغاز ہوا، ثانیاً: ۱۹۴۸ء میں یو این او کے ذریعے "اسرائیل" کا قیام عمل میں آیا۔ وَقِس علٰی ذٰلک!

اس مذہبی مفاہمت کا جو تکمیلی مرحلہ حال ہی میں خالص ڈرامائی انداز میں پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے وہ یہودیت کے ساتھ عیسائیت کے جزوِ اعظم یعنی کیتھولک عیسائیت کا گٹھ جوڑ ہے۔ چنانچہ چند ہی سال پہلے تاریخ انسانی کا یہ "معجزہ" ظاہر ہوا کہ پوپ کے ایک "فرمان" کے ذریعے ساڑھے انیس سو سالہ تاریخ بدل دی گئی۔ اور وہ یہودی

قوم جو "خدا کے صُلبی بیٹے کو" سولی دینے کی مجرم قرار دی جاتی تھی بیک جنبشِ قلم اس جرم سے "بری" قرار دے دی گئی۔ پھر چند ہی ہفتے قبل خبر آئی کہ ویٹی کن (VATICAN) نے اسرائیل کو تسلیم کر لیا ہے اور اس کا سفارت خانہ بہت جلد یروشلم میں قائم ہو جائے گا۔ اور یہ تو ہفتہ عشرہ قبل ہی کی بات ہے کہ اسرائیل کے وزیراعظم اسحاق رابن نے واشنگٹن سے واپسی پر روم میں پاپائے اعظم سے ملاقات کی اور انہیں اسرائیل کا دورہ کرنے کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ کوئی چیز یہ کہتے ہوئے پیش کی کہ اس کی حفاظت تین ہزار برس تک تو ہم نے کی ہے، اب یہ آپ کے حوالے ہے اور آئندہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری آپ پر ہے!

اس سلسلے میں اس واقعے کا ذکر بھی دلچسپی کا موجب ہو گا کہ گزشتہ جمعہ کو مسجد دارالسلام، باغ جناح لاہور، میں اپنے خطاب کے دوران میں سورۃ المائدہ کی آیات ۵۱ اور ۵۲ پر گفتگو کرتے ہوئے زندگی میں پہلی بار اور بالکل اچانک طور پر میرا ذہن اس حقیقت کی جانب منتقل ہوا کہ آیت ۵۱ میں واردشدہ الفاظ "بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ" یعنی یہودی اور عیسائی آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور حمایتی ہیں، درحقیقت ایک پیشینگوئی کی حیثیت رکھتے تھے جو اصلاً اِس دور میں پوری ہوئی ہے۔ ورنہ اس سے قبل عیسائیت کی پوری دو ہزار سالہ تاریخ کے دوران میں یہودیوں اور عیسائیوں میں مسلسل دشمنی رہی ہے۔ چنانچہ پہلے تین سو سال تک حضرت عیسیٰؑ کے ماننے والوں پر یہودی اور بت پرست رومی دونوں ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتے رہے، اور پھر جب چوتھی صدی عیسوی کے آغاز میں رومی سلطنت نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تو اس کے بعد سے مسلسل عیسائی یہودیوں پر عرصۂ حیات تنگ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اِس بیسویں صدی عیسوی کے وسط میں بھی نازی جرمنی کے عیسائیوں نے ساٹھ لاکھ یہودیوں کو اس طور سے نیست و نابود کیا جس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ اس لئے کہ وہاں اس مقصد کے لئے سپیشل پلانٹ تعمیر کئے گئے تھے تاکہ لاشوں کو ٹھکانے لگانے کی مشقت بھی برداشت کرنی نہ پڑے! قصہ مختصر یہ کہ نہ

صرف نزولِ قرآن کے وقت بلکہ اس کے بعد سے ماضیِ قریب تک بھی فی الواقع عیسائیوں اور یہودیوں میں کوئی دوستی موجود نہیں تھی ---- تاہم سورۂ حٰم السجدہ کی آیت ۵۳ کے الفاظ: "سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ" یعنی "ہم عنقریب انہیں اپنی نشانیاں آفاق اور انفس دونوں میں دکھائیں گے یہاں تک کہ یہ حقیقت ان پر بالکل واضح ہو جائے گی کہ یہ (قرآن) حق ہے!" کے مطابق سورۃ المائدہ کے متذکرہ بالا الفاظ بھی جو یہود اور نصاریٰ کے حالیہ گٹھ جوڑ کی عکاسی کر رہے ہیں قرآن کی حقانیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

☆ ☆ ☆

اس موضوع پر جو کچھ اس سے قبل عرض کیا جاچکا ہے اس کا حاصل کسی قدر مختلف الفاظ میں یہ ہے کہ :

(۱) سطحِ زمین پر بہنے والے پانی کے مانند "نیو ورلڈ آرڈر" کی وہ ظاہر و باہر حقیقت، جو بچشمِ سر بھی نظر آجاتی ہے، یہ ہے کہ یہ اس مغربی استعمار کے سیلاب کا دوسرا ریلا ہے جس کا پہلا ریلا تو آج سے پانچ سو برس قبل مغربی یورپ کے ممالک کی قیادت میں عالمِ مشرق بالخصوص ایشیا پر حملہ آور ہوا تھا، اور دوسرا ریلا اب نئے مغرب، یا نئے یورپ یعنی امریکہ کی قیادت و سیادت میں کُل روئے ارضی پر اپنے آخری اور فیصلہ کن غلبے کے لئے نہایت تیزی اور تندی کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ اور اس کی یہ تیزی اور تندی خلیج کی جنگ اور سوویت یونین کے زوال کے بعد اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ چکی ہے۔ چنانچہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کو اب روئے ارضی کی واحد سپریم پاور کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔ اور یو این او کو اس کے "نقاب" اور اسرائیل کو مشرقِ وسطیٰ یعنی مغربی ایشیا اور شمال مشرقی افریقہ کے عرب مسلم علاقے میں اس کے آلۂ کار بلکہ استعماری اڈے یا قاعدے (BASE) کی حیثیت حاصل ہے! جس کی حفاظت اور سلامتی کو گویا امریکہ کے دین و ایمان کی حیثیت حاصل ہے! (گویا اس سطح پر اسرائیل آلۂ کار ہے، اور امریکہ اصل استعماری طاقت!)

(۲) اس کی وہ مخفی حقیقت، جو اس زیرِ زمین پانی (SUB-SOIL WATER) سے مشابہ ہونے کے باعث جو نگاہوں سے تو پوشیدہ ہوتا ہے لیکن کنوؤں اور نلکوں کے ذریعے حاصل کرلیا جاتا ہے، کسی قدر غور اور تامل کے بعد سامنے آتی ہے، یہ ہے کہ یہ پورے عالمِ ارضی کے ذرائع پیداوار کے استحصال کے لئے عالمِ عیسائیت کا یہودیت کے ساتھ وہ گٹھ جوڑ ہے جو کیتھولک عیسائیت کی مذہبی ریاست ویٹی کن (VATICAN) کی جانب سے اسرائیل کے تسلیم کئے جانے کے بعد اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گیا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ تیسرا صلیبی سیلاب ہے جو ایک ہزار سال کے بعد از سرِنو عالمِ مشرق بالخصوص عالمِ اسلام پر حملہ آور ہوا ہے۔ اور پہلے دو صلیبی سیلابوں سے یہ صرف اس اعتبار سے مختلف ہے کہ اس بار اس کا ہراول دستہ یہودیوں پر مشتمل ہے۔ (گویا اس سطح پر بھی یہودی "معمول" کی حیثیت رکھتے ہیں جبکہ اصل "عامل" کی حیثیت عالم عیسائیت کو حاصل ہے!)

(۳) لیکن اس "نیو ورلڈ آرڈر" کی وہ اصل حقیقت جو "حقیقت الحقائق" کا درجہ رکھتی ہے اور اس نہایت صاف اور شفاف پانی کے مشابہ ہے جس کے سوتے سطح زمین سے تین چار سو یا چھ سات سو فٹ نیچے بہہ رہے ہیں، لہٰذا اس کے فہم و شعور کے لئے گہرے مشاہدے اور غور و فکر پر مستزاد یہودیت اور عیسائیت کی تاریخ کے مطالعے کی ضرورت ہے، (یہاں تک کہ اس کا کامل ادراک تو کلامِ الٰہی اور حدیثِ نبوی ﷺ کی روشنی کے بغیر ممکن ہی نہیں) یہ ہے کہ یہ اصلاً فتنۂ دجالیت کا نقطۂ عروج اور "المسیح الدجال" کے ظہور کی تمہید ہے۔ اور اس سطح پر اصل "عامل" کی حیثیت یہودیت بالخصوص صیہونیت کو حاصل ہے، جبکہ پورے عالم عیسائیت بالخصوص عالمِ مغرب کی حیثیت اس کے "معمول" اور آلۂ کار کی ہے۔ گویا امریکہ ہو یا برطانیہ اور فرانس، اور ریو این او ہو یا "جی سیون" سب صیہونیت کی زلفِ گرہ گیر کے اسیر ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ع "کہ خود نخچیر کے دل میں ہو پیدا ذوقِ نخچیری!" اور۔

جادوئے محمود کی تاثیر سے چشمِ ایاز
دیکھتی ہے حلقۂ گردن میں سازِ دلبری!

کے مصداق یہ دیو قامت اور دیو ہیکل عسکری اور اقتصادی قوتیں صیہونیت کے فتراک کے نخچیر ہونے کے باوجود بزعمِ خویش اپنے آپ کو اپنے شکاری یعنی اسرائیل کی محافظ اور نگہبان سمجھ رہی ہیں! اس اعتبار سے واقعہ یہ ہے کہ کم از کم راقم الحروف کے لئے یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ امریکہ اور یورپ کی "فریب خوردہ" حکومتیں اور غافل و ناواقف عیسائی عوام تیسری دنیا کے لوگوں بالخصوص مسلمانوں کے غیظ و غضب کے زیادہ مستحق ہیں یا رحم اور ہمدردی کے!

تاہم چونکہ یہ حقیقت بادیٔ النظر میں بہت ناقابلِ قبول اور بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے' لہٰذا ضرورت ہے کہ اس پر تین حوالوں سے گفتگو کی جائے یعنی : (i) یہودیوں اور بالخصوص ان کے اقتصادی ہتھکنڈوں کے خلاف خود مغرب میں شخصی و قومی' اور فکری و نظری سطح پر ردِّ عمل۔ (ii) عیسائی روایات اور پیشینگوئیوں میں وارد شدہ "اینٹی کرائسٹ" اور بالخصوص انجیلِ مقدس کی آخری کتاب "مکاشفاتِ یوحنا" میں وارد شدہ خوفناک درندے اور اس پر سوار عورت کی تمثیل' اور (iii) قرآن حکیم کے اشارات اور حدیثِ نبوی ﷺ میں فتنۂ دجالیت اور "المسیح الدّجال" سے متعلق تفاصیل۔ لیکن اس سے قبل ضروری ہے کہ یہودیوں کے اصل "آلۂ تسخیر" یعنی ان کے قائم کردہ مالیاتی نظام کی حقیقت کو سمجھ لیا جائے۔

یہ ہرگز کوئی چھپی ہوئی بات نہیں ہے کہ یہودی اپنے آپ کو نہ صرف "خدا کی منتخب اور پسندیدہ قوم" (CHOSEN PEOPLE OF THE LORD) بلکہ شرفِ انسانیت کے واحد اجارہ دار سمجھتے ہیں۔ اور بقیہ تمام انسان' جنہیں وہ تحقیر کے انداز میں "جنٹائل" (GENTILES) اور "گویم" (GOYEMS) کہتے ہیں' ان کے نزدیک محض انسان نما حیوانوں کی حیثیت رکھتے ہیں' جن کا معاشی استحصال ان کا

بالکل اسی طرح کا جائز قانونی و اخلاقی حق ہے جس طرح کا حق کسی تانگے یا ریڑھے میں گھوڑے کو جوتنے والے شخص کو حاصل ہے، یعنی یہ کہ وہ گھوڑے کی دن بھر کی مشقت کی کمائی میں سے اسے تو صرف اتنا دانہ اور چارہ مہیا کر دے جتنا اس کے اگلے روز کی مشقت کے لئے مستعد رہنے کے لئے ضروری ہو باقی سب کو اپنے ذاتی تصرف اور استعمال میں لے آئے!

چنانچہ ع "لیا ہر آبلہ پا سے زبردستی خراج اپنا!" کے مصداق پوری نوعِ انسانی سے اپنا یہ "جائز" حق وصول کرنے کے لئے انہوں نے صدیوں کی مساعی کے نتیجے میں ایک جانب سود پر مبنی نظامِ بینکاری، اور سونے چاندی کے سکوں کی بجائے پیپر کرنسی کے رواج، اور دوسری جانب کاروباری اور صنعتی حصص کی کاغذی دستاویزات اور ان کے مبادلے یعنی اسٹاک ایکسچینج کے نظام اور ان سب پر مستزاد جوئے اور سٹے (SPECULATION) کے کاروبار پر مشتمل ایک ایسا عالمی مالیاتی نظام قائم کیا جو اب سوائے ایک ملک یعنی عوامی جمہوریہ چین کے باقی تقریباً پوری دنیا کو اپنی گرفت میں لے چکا ہے اور جس کی کلید اور کنٹرول لیور بالکل اس طرح ان کے اپنے ہاتھ میں ہے کہ جب چاہیں اور جس جگہ چاہیں مالیاتی بحران بلکہ زلزلہ پیدا کر دیں اور اس کے نتیجے میں بڑی سے بڑی عسکری طاقت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیں، جس طرح کبھی اہرامِ مصر میں دفن ہونے والے فرعونوں کا وہ دعویٰ تھا جس کی تعبیر قرآن حکیم میں حضرت موسیٰؑ کے زمانے کے فرعون کے ان الفاظ کی صورت میں وارد ہوئی ہے کہ "اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ وَھٰذِہِ الْاَنْھٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ؟" (الزخرف : ۵۱) "کیا یہ ملکِ مصر میری ملکیت نہیں، اور یہ نہریں میرے تحت نہیں بہتیں؟ (یعنی کیا یہ نظامِ آبپاشی میرے اختیار میں نہیں ہے کہ جسے چاہوں پانی دوں، اور جس کا "موگا" چاہوں بند کر دوں)" ۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ آج یہود کا قائم کردہ یہ عالمی نظامِ مالیات ایک جانب ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف جیسے اداروں، اور دوسری جانب سٹاک ایکسچینج اور الیکٹرانک کرنسی کے ذریعے پوری دنیا کی معیشت کو کنٹرول کر رہا ہے اور اپنے اس

مالیاتی استیلاء کو اولاً تہذیبی و ثقافتی' اور ثانیاً سیاسی و تمدنی غلبے کے حصول کا ذریعہ بنا رہا ہے جو بالآخر پورے کرۂ ارضی کے معاشی استحصال کے لئے استعمال ہو گا۔ (یہاں بر سبیلِ تذکرہ یہ بات بھی یقیناً دلچسپی کا باعث ہو گی کہ امریکہ کے ایک ڈالر کے نوٹ پر واقعتاً اہرامِ مصر ہی کی تصویر طبع ہوتی ہے۔ اور اس کے نیچے "NOVUS ORDO SECLORUM" کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں جو گویا "نیو ورلڈ آرڈر" ہی کے قیام کی نوید یا عزم کی عکاسی کرتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر دلچسپ اور معنی خیز بات یہ کہ اہرام کی تصویر کے بالائی حصے میں ایک آنکھ بنی ہوئی ہے' جو گویا نبی اکرم ﷺ کی دی ہوئی اس خبر کی توثیق ہے کہ دجّال "یک چشم" ہو گا!)

یہودیوں کے اس مالیاتی شکنجے اور معاشی استحصال' اور اس پر مستزاد ان کی پیدا کردہ فکری اور اخلاقی آوارگی اور تہذیبی اقدار بالخصوص خاندانی نظام کی تباہی کا اولین شکار چونکہ مغربی معاشرہ ہوا' لہٰذا اس کا ردِّ عمل بھی فطری طور پر وہیں پیدا ہوا' جس کی بہترین عکاسی بابائے دستورِ امریکہ بنجمن فرینکلن کی اس تقریر کے حسب ذیل اقتباس سے ہو جاتی ہے جو اب سے لگ بھگ سوا دو سو برس قبل دستوری کنونشن میں کی گئی تھی' اور جس میں نہایت پُرزور الفاظ میں کہا گیا تھا کہ یہودیوں کو امریکہ میں داخل ہونے سے روک دیا جائے:

> "ریاست ہائے متحدہ امریکہ ایک عظیم خطرے سے دوچار ہے۔ یہ عظیم خطرہ یہودیوں کی جانب سے ہے۔ یہودی جہاں بھی گئے' وہاں انہوں نے اخلاق کی سطح کو پست اور کاروباری دیانت کو معدوم کر دیا۔ یہ لوگ بالکل الگ تھلگ اجنبیوں کی طرح رہتے ہیں اور اندرونِ خانہ اپنی الگ ریاست قائم کر لیتے ہیں۔ اور جب انہیں راہِ راست پر لانے کی کوشش کی جاتی ہے تو یہ معاشی طور پر اس قوم کا گلا گھونٹ دیتے ہیں' جیسے کہ پرتگال اور سپین میں ہوا۔ اپنی اس بدنصیبی کا ماتم کرتے ہوئے انہیں سترہ سو سال سے زیادہ ہو گئے ہیں کہ انہیں اپنے دیس سے نکلنا پڑا تھا۔ لیکن اگر انہیں فلسطین واپس دلوا دیا

گیا اور ان کی جائیدادیں بھی انہیں لوٹادی گئیں، تب بھی یہ کوئی نہ کوئی بہانہ تراش لیں گے اور یہاں گھسے رہیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ دوسروں کا خون چوسنا ان کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔ اور چونکہ خون چوسنے والی چمگادڑیں باہم ایک دوسرے کا خون نہیں چوس سکتیں اس لئے یہ اکیلے رہ نہیں سکتے۔ ان کا ایسے لوگوں میں رہنا مجبوری ہے جو ان کی نسل سے نہ ہوں، خواہ وہ عیسائی ہوں یا کوئی اور!

اگر انہیں امریکہ میں داخلے سے دستور کے ذریعے روک نہ دیا گیا تو سو سال سے بھی کم عرصے کے اندر اندر یہ یہاں اتنی تعداد میں گھس آئیں گے کہ ان کے ہاتھوں نہ ہمارے جان و مال محفوظ رہیں گے نہ آزادی۔ جو ملک ہم نے اپنے خون کی قربانی دے کر قائم کیا ہے یہ لوگ اس کی شکل ہی بدل کر رکھ دیں گے اور الٹا ہمارے اوپر حکمران بن کر بیٹھ جائیں گے۔ اور اگر یہ لوگ دو سو سال تک یہاں رہ گئے تب تو ہماری آئندہ نسل ان کی غلام ہوگی جو ان کی خاطر کام پر لگی ہوگی اور یہ بیٹھ کر کھا رہے ہوں گے۔ اور اپنے دولت خانوں میں جشن منا رہے ہوں گے۔

میری بات کان کھول کر سن لو! اگر تم نے انہیں داخل ہونے سے روکنے میں سستی برتی تو آئندہ آنے والی نسلیں تمہیں تمہاری قبروں میں بھی معاف نہیں کریں گی۔ ان کی خواہ دس نسلیں بھی ہمارے ساتھ بیت جائیں لیکن یہ اپنے کرتوتوں سے باز نہیں آئیں گے۔ بالکل ایسے جیسے چیتا اپنی کھال کے داغ دھبے نہیں مٹا سکتا۔ الغرض یہودی اس سرزمین کے لئے شدید خطرہ ہیں۔ اگر انہیں یہاں داخل ہونے اور آباد ہونے کی اجازت دے دی گئی تو یہ ہمارے اداروں کو تباہ کر دیں گے۔ لہٰذا انہیں دستور کے ذریعے یہاں داخلے سے روک دیجئے۔"

واضح رہے کہ بنجمن فرینکلن کی اس تقریر کا حوالہ اور اقتباس تو امریکہ میں بہت

کثرت سے شائع ہوتا ہے لیکن اس کا اصل اور مکمل متن غائب کر دیا گیا ہے، جیسے کہ ہمیں گزشتہ سال امریکہ کی ریاست مشی گن کے شہر ٹرائے سے ایک کرم فرما بلال راٹھور صاحب نے تحریر کیا تھا کہ: "میں اس تقریر کے متن کو گزشتہ پانچ چھ سالوں سے عظیم تر ڈٹرائٹ کے علاقے میں تلاش کر رہا ہوں، لیکن یہ کہیں دستیاب نہیں ہو سکا۔ اس لئے کہ وہ تمام کتب اور جرائد جن میں یہ تقریر شائع ہوئی تھی نہایت پُر اسرار انداز میں تمام لائبریریوں سے غائب کر دیئے گئے ہیں!"

تاہم ع "زبانِ خنجر جو چپ رہے گی تو خوں پکارے گا آستیں کا!" کے مصداق یہودیوں کی تہذیبی تخریب کاری اور معاشی لوٹ کھسوٹ کے اس شدید اور جارحانہ ردِّ عمل کا ڈھنڈورا تو خود یہودی "ہالوکاسٹ" کے عنوان سے دنیا بھر میں بالعموم اور امریکہ میں بالخصوص وہاں کے عوام کی ہمدردی حاصل کرنے کی غرض سے وقتاً فوقتاً پیٹتے رہتے ہیں کہ اسی بیسویں صدی عیسوی کے دوران نازی جرمنوں نے ان کے ساٹھ لاکھ افراد کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اور ان کی لاشوں کو ٹھکانے لگانے اور فی الواقع "نیست و نابود" کرنے کے لئے سپیشل پلانٹ ڈیزائن کئے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ع "الٰہی جس خطا کی یہ سزا ہے وہ خطا کیا ہے؟" کے مصداق یہ کس عمل یا بد عملی کا ردِ عمل تھا؟ اس لئے کہ نیوٹن کے مشہور قوانینِ حرکت میں سے تیسرے اور آخری قانون کی رُو سے اگر ہر عمل کا کوئی ردِ عمل لازمی ہے، تو ہر ردِ عمل کے لئے بھی تو کوئی نہ کوئی عمل لازم قرار پائے گا!

تاہم "شیطان کو بھی اس کا حق دیا جانا چاہئے!" کے مطابق یہودیوں کو شاباش دینی پڑتی ہے کہ ان کے قائم کردہ "سرمایہ دارانہ نظام" کے خلاف جو ردِّ عمل یورپ ہی میں فکری سطح پر نمودار ہو رہا تھا اس کے رخ کو ایک شاطر اور ماہر یہودی دانشور کارل مارکس نے کمیونزم کی انتہائی غیر فطری سمت میں موڑ کر ایسی پخنی دی کہ رہے نام اللہ کا! اس لئے کہ اس کا جو حشر ہوا اس کا نقد نتیجہ یہ نکلا کہ اب وہ سرمایہ دارانہ نظام نہایت فتح مندانہ شان اور شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ "اَنَا وَ لَا غَیرِی!" کے انداز

میں کوسِ لِمَنِ الملک بجا رہا ہے!

اسی طرح عیسائیوں کی مذہبی روایات میں جس "اینٹی کرائسٹ" کا ذکر ہے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ وہ لازماً کوئی یہودی ہی ہو سکتا ہے' اس لئے کہ حضرت مسیحؑ کے دشمن پہلے بھی یہودی ہی تھے اور اب بھی یہودی ہی ہیں۔ لیکن اس پر بھی داد دینی پڑتی ہے یہودیوں کی عیاری کو کہ انہوں نے ایک جانب تو پاپائے روم سے اپنی براءت کا پروانہ حاصل کرلیا ہے اور دوسری جانب ذرائع ابلاغ کے شاطرانہ استعمال کے ذریعے اس پیشینگوئی کا رخ بھی عیسائی عوام کی اکثریت کے ذہنوں میں کسی مسلمان کی جانب موڑ دیا ہے۔ حالانکہ تمام مسلمان حضرت مسیحؑ پر نہ صرف یہ کہ ایمان رکھتے ہیں بلکہ ان کے اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت مریم سلام اللہ علیہما دونوں کے ساتھ گہری قلبی عقیدت اور محبت کا رشتہ رکھتے ہیں!

تاہم عیسائیوں کے مذہبی لٹریچر میں وارد شدہ وہ اہم ترین تمثیل' جو عالمِ عیسائیت کے سر پر صیہونیت کے سوار ہونے کی موجودہ واقعی صورت کی بہترین اور صحیح ترین عکاسی کرتی ہے' عہد نامۂ جدید کی آخری کتاب یعنی "مکاشفاتِ یوحنا" کے سترہویں باب میں ایک ایسے قرمزی رنگ کے عظیم اور خونخوار درندے کی صورت میں سامنے آتی ہے جس کے سات سر ہیں اور دس سینگ' اور اس پر ایک عورت سوار ہے! مزید بر آں' یہ درندہ خود بھی مجسّم کفر' الحاد اور زندقہ کی حیثیت رکھتا ہے' اور اس پر سوار عورت بھی سرتاپا بدکاری کا مجسمہ ہے! مکاشفہ کے مطابق اس درندے کا مقابلہ ایک میمنے سے ہو گا جو اسے ہلاک کردے گا! چنانچہ حکمتِ ایمانی سے ادنیٰ ترین مناسبت رکھنے والا شخص بھی فوراً پہچان لے گا کہ یہ اصلاً فتنۂ دجّال کی تعبیر ہے۔ چنانچہ درندے سے مراد عہدِ حاضر کے وہ خوفناک اور نہایت تباہ کن ہتھیاروں سے مسلح مغربی ممالک ہیں جن کے "جسدِ واحد" ہونے کا نقشہ خلیج کی جنگ میں دنیا کے سامنے آچکا ہے' (اور کیا عجب کہ اس کے سات سروں سے مراد آج کے "جی۔ سیون ہوں"!) اور ان کے سروں پر سوار بدکار عورت وہ سلطنتِ اسرائیل ہے جس کی حفاظت کے لئے یہ تباہ کن

جنگ لڑی گئی تھی جس کے دوران کی جانے والی خوفناک بمباری کی درندگی اور وحشت و بربریت کی کوئی دوسری مثال پوری انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ رہی یہودیوں کی عورت سے تشبیہ تو یہ قرآن حکیم کے اس بیان سے کامل مطابقت رکھتی ہے کہ : "لَا یُقَاتِلُونَکُمْ جَمِیْعًا اِلَّا فِیْ قُرًی مُّحَصَّنَۃٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ" (الحشر : ۱۴) یعنی "(اے مسلمانو!) یہ تم سے کبھی (کھلے میدان میں) جمیت کی صورت میں جنگ نہیں کریں گے، سوائے قلعہ بند بستیوں میں (محصور ہو کر) یا دیواروں کی اوٹ سے!"--- اور دیہاتی ماحول سے تعلق رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ دیہات کے چھوٹے موٹے جھگڑوں اور مقابلوں میں بعینہٖ یہی کردار عورتوں کا ہوتا ہے۔ رہا وہ "میمنہ" جو اس عفریت کو ہلاک کرے گا تو وہ حضرت عیسیٰؑ ایسے بے ضرر اور رقیق القلب انسان کی بہترین تعبیر ہے جن کی آمدِ ثانی کے عیسائی اور مسلمان دونوں منتظر ہیں، اور جن کے بارے میں صحیح ترین اور مستند ترین احادیث میں مروی ہے کہ وہ بنفسِ نفیس "المسیح الدجال" کو قتل کریں گے!

الغرض، آخری تجزیے میں نیو ورلڈ آرڈر کی اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ دجالی فتنے کا نقطۂ عروج اور "المسیح الدجال" کے ظہور کی تمہید ہے۔ چنانچہ دجالی فتنے سے مراد وہ جدید مادہ پرستانہ تہذیب ہے جس نے ابتداءً تو یورپ میں مسیحیت کی کوکھ سے جنم لیا تھا، لیکن اب عالمی وسعت اختیار کرلی ہے، اور جس کے زیرِ اثر انسانوں کی عظیم اکثریت کے نزدیک حقیقتِ وجود صرف مادی کائنات کی حد تک، حقیقتِ انسان صرف اس کے وجودِ حیوانی کی حد تک، اور حقیقتِ حیاتِ انسانی صرف حیاتِ دنیوی کی حد تک محدود ہو کر رہ گئی ہے، جس کے نتیجے میں کفر، الحاد اور خالص مادہ پرستی کو اس کے شعائر اور امتیازی علامات کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ اسی طرح "دجّالِ اکبر" کی حیثیت، موجودہ عالمی مالیاتی نظام کو حاصل ہوگئی ہے۔ اس لئے کہ اس کے بارے میں حدیث نبوی ﷺ میں بیان ہوا ہے کہ اس کی پیشانی پر "ک ف ر" کے حروف لکھے ہوئے ہوں گے اور اس کے تصرف میں رزق کے جملہ خزانے آجائیں گے۔ چنانچہ وہ روزی صرف اسی کو دے گا جو اللہ کا کفر کرکے اس کی

ربوبیت کا اقرار کرلے گا۔ اور جاننے والے جانتے ہیں کہ اب بالکل یہی حیثیت موجودہ مالیاتی نظام کو حاصل ہو گئی ہے جس نے رزق کے خزانوں کو واقعتاً بالکلیہ اپنے تسلط میں لے لیا ہے۔ چنانچہ اب یہ "راشن" صرف اسی کو دیا جاتا ہے جو مغرب کے تہذیب و تمدن، اس کی سیاسی اور معاشرتی اقدار، اور اس کے معاشی اور اقتصادی نظام کو قبول کرلے۔ اور کون نہیں جانتا کہ یہ "دجال اکبر" کرۂ ارضی کے ایک بڑے حصے پر تو کُلی تسلط حاصل کر ہی چکا ہے، صرف مشرق بعید کے بعض ممالک باقی ہیں جن کو وہ۔

"اِک دسترس سے تیری حالی بچا ہوا تھا
اس کو بھی تو نے آخر چرکا لگا کے چھوڑا!"

کے مصداق جلد از جلد زیر کرکے اپنی "دسترس" میں لے آنے کی سر توڑ کوشش کر رہا ہے۔ (جس کی نمایاں ترین مثال عوامی جمہوریہ چین ہے!) ----- رہا وہ معین شخص جسے حدیثِ نبوی ﷺ میں "المسیح الدّجال" سے تعبیر کیا گیا ہے تو اس کی حقیقت پر مفصل گفتگو ان شاء اللہ آئندہ صحبت میں ہو گی!..

فتنۂ یہود کا نقطۂ عروج:

"مسیحِ دجّال" کا خروج

"نیو ورلڈ آرڈر" کی اصل حقیقت کے ضمن میں جو کچھ گزشتہ دو صحبتوں میں عرض کیا جا چکا ہے، وہ اس تحریر کے اصل مدّعا کے اعتبار سے کفایت کرتا ہے۔ اس کے بعد اصلاً تو اس امر کا جائزہ لینا پیش نظر ہے کہ یہ نیو ورلڈ آرڈر اِس وقت "کون سی وادی" اور "کون سی منزل" میں ہے! اور مغربی استعمار کے اس نئے اور نہایت طوفانی انداز کے سیلاب کے اعتبار سے شمالی افریقہ اور مغربی ایشیا کے مسلم ممالک بالخصوص، اور وسطی و مشرقی ایشیا کے مسلم و غیر مسلم ممالک بالعموم کس صورت حال سے دوچار

ہیں

لیکن چونکہ گزشتہ کالم کے آخر میں ع "مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات!" کے مصداق "المسیحُ الدّجال" کا تذکرہ ہو گیا تھا لہٰذا' اس کے باوجود کہ ہمیں خوب معلوم ہے کہ اس موضوع سے عام قارئین بالخصوص جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو دلچسپی نہیں ہے (بلکہ شاید وہ اس سے الرجی بھی محسوس کریں!) تاہم چونکہ اس کا ذکر نبی اکرم ﷺ کی مستند احادیث میں بہت شدّ و مد کے ساتھ آیا ہے' لہٰذا آگے بڑھنے سے قبل مناسب ہے کہ اس کے ضمن میں بھی بعض وضاحتیں پیش کر دی جائیں۔

"مسح" کے لفظی معنی کسی چیز پر ہاتھ پھیرنے کے ہیں' لیکن مجازاً اس کا اطلاق زمین کی پیائش کرنے یا مسافت طے کرنے پر بھی ہوتا ہے۔ یہودیوں کی اصطلاح میں یہ ایک خاص رسم کا نام ہے۔ چنانچہ تاریخی اعتبار سے بھی ثابت ہے اور نبی اکرم ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ:

كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيلَ تَسُوْسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ (بخاریؒ و مسلمؒ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

"بنی اسرائیل کے انتظامی معاملات کی باگ ڈور انبیاء کرام کے ہاتھوں میں ہوتی تھی۔ جیسے ہی کسی نبی کا انتقال ہو جاتا تھا کوئی نبی ہی اس کا جانشین ہوتا تھا۔"

اور اس جانشینی کی علامت کے طور پر ہر نبی اپنی زندگی ہی میں اپنے جانشین کے سر پر مقدس تیل مل کر اس کی خلافت کا اعلان کر دیا کرتا تھا' جو آئندہ کا "مسیح" کہلاتا تھا۔ بعد ازاں جب بنی اسرائیل میں نبوت کے ساتھ ساتھ "بادشاہوں" کا سلسلہ بھی شروع ہوا' جن کی اصل حیثیت سپہ سالاروں کی ہوتی تھی' تو یہی عمل وقت کے نبی کی جانب سے ان کے لئے بھی کیا جانے لگا۔ چنانچہ اولاً حضرت طالوت اور بعد ازاں حضرت داوٗدؑ کو سیموئیل نبی نے اسی طور سے نامزد کیا تھا۔ (جس کا ذکر قرآن حکیم میں بھی سورۃ البقرہ کی آیات ۲۴۶ تا ۲۴۸ میں وارد ہوا ہے۔) اس طرح "مسیح" کا لفظ سابقہ اُمّتِ مسلمہ (بنی اسرائیل) کی اصطلاح میں مذہبی اور سیاسی یا بالفاظِ دیگر "دینی"

قیادت و سیادت کے لئے اہم اصطلاح کی صورت اختیار کر گیا۔ واضح رہے کہ قرآن حکیم میں یہ لفظ صرف حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کے لئے استعمال ہوا ہے' لیکن ایک دوبار نہیں' پورے گیارہ مرتبہ آیا ہے!

دوسری جانب "دجل" عربی میں فریب اور دھوکہ کو کہتے ہیں۔ اور "دجّال" اس سے مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی: "بہت بڑا دھوکے باز!"۔ قرآن حکیم میں تو اس مادے سے کوئی لفظ سرے سے استعمال ہی نہیں ہوا لیکن احادیث میں یہ اصطلاح کثرت کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ عمومی انداز میں فتنۂ دجال کے عنوان سے بھی اس کا تذکرہ بکثرت موجود ہے جس کے بارے میں بعض اصحابِ دانش و بینش (جیسے مثلاً مولانا مناظر احسن گیلانیؒ) کا کہنا یہ ہے کہ اس سے مراد موجودہ مادہ پرستانہ تہذیب ہے جس نے انسانوں کی عظیم اکثریت کو حیات و کائنات کے اصل حقائق سے غافل کرکے صرف ان دجل و فریب کے پردوں میں الجھا کر رکھ دیا ہے جو ان پر پڑے ہوئے ہیں' یعنی خالقِ کائنات اور اس کی ذات و صفات کی بجائے صرف کائنات' انسان کے روحانی وجود کی بجائے صرف وجودِ حیوانی' اور حیاتِ اخروی کی بجائے محض حیاتِ دنیوی ہی کو انسان کے مطلوب و مقصود کی حیثیت دے دی ہے۔ چنانچہ اسی کو علامہ اقبال نے "عذابِ دانشِ حاضر" سے تعبیر کیا ہے۔ مزید بر آں بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہی تہذیب عالمی سطح پر تنظیم و استحکام کے اس درجہ اور مرحلہ کو پہنچ جائے گی کہ رزق کے تمام خزانے کسی ایسے ادارے یا شخص کے ہاتھ میں آجائیں گے جو لوگوں کو ایمان سے برگشتہ اور "کفر" کا قائل کرکے ہی انہیں روزی دے گا' تو یہ گویا اس فتنہ دجّال کا نقطۂ عروج ہوگا۔ اور کون نہیں جانتا کہ ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کی قسم کے ادارے بہت حد تک تو یہ حیثیت حاصل کر ہی چکے ہیں' اور رہی سہی کسر پوری کرنے کے لئے دیوانہ وار ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں! پھر جمع کے صیغہ میں یہ لفظ نبوت کے جھوٹے دعویداروں کے لئے بھی وارد ہوا ہے (دَجّالون کذّابون) لیکن واحد اور اسمِ معرفہ کے صیغہ میں یہ لفظ "المسیحُ الدّجال" کی

صورت میں ایک شخصِ معین کے لئے آیا ہے۔ جس کے معنی اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتے کہ وہ "مسیح موعود" ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرے گا۔

اب آیئے اس "مسیح موعود" کی حقیقت کی جانب۔ سابقہ امتِ مسلمہ یعنی بنی اسرائیل جب حضرت سلیمانؑ کے دور کے بعد اعتقادی اور اخلاقی زوال کا شکار ہوئے اور اس کے نتیجے میں ان پر عذابِ الٰہی کے کوڑے برسنے شروع ہوئے تو ان کے انبیاء جہاں ایک جانب انہیں اخلاقی و عملی پستی پر زجر و ملامت کرتے رہے، اور توبہ و اصلاح کی دعوت دیتے رہے، وہاں ایک روشن مستقبل کی نویدِ جانفزا بھی سناتے رہے۔ ان پیشینگوئیوں میں سے بعض تو اصلاً نبیِ اکرم ﷺ کی بعثتِ مبارکہ اور اولاً بنفسِ نفیس آپؐ کے اپنے دستِ مبارک سے، اور پھر آپؐ کی امت کے ذریعے قائم ہونے والی خدائی یا آسمانی بادشاہت یعنی "نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوت" کے قیام کے بارے میں تھیں، اور بعض کا تعلق حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کی ذاتِ مبارک سے تھا۔ مثلاً اول الذکر کے ضمن میں دانیال نبیؑ کے یہ الفاظ قابلِ ذکر ہیں کہ:

> "ان بادشاہوں کے ایام میں آسمان کا خدا ایک سلطنت برپا کرے گا جو تا ابد نیست نہ ہوگی۔ اور اس کی حکومت کسی دوسری قوم کے حوالے نہ کی جائے گی بلکہ وہ ان تمام مملکتوں کو ٹکڑے ٹکڑے اور نیست و نابود کردے گی اور وہی ابد تک قائم رہے گی!" (دانیال: باب ۲، آیت ۴۴)

اور مؤخر الذکر کے لئے حزقی ایل نبیؑ کے یہ الفاظ اہم ہیں:

> "کیونکہ خداوند خدا فرماتا ہے دیکھ میں خود اپنی بھیڑوں کی تلاش کروں گا اور ان کو ڈھونڈ نکالوں گا جیسے چرواہا اپنے گلے کی بھیڑوں کو تلاش کرتا ہے۔"
> (حزقی ایل: باب ۳۴، آیت ۱۱)

اب ظاہر ہے کہ اللہ کے یہ تمام وعدے ایمان اور عملِ صالح، اور جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی کڑی شرائط کے ساتھ مشروط تھے، لیکن ایک زوال پذیر قوم کی حیثیت سے یہودی ہمیشہ صرف ان سہانے خوابوں کے سہارے جیتے رہے، اور "ہاتھ پر ہاتھ

دھرے منتظرِ فردا ہو" کے مصداق بس منتظر رہے کہ کب کوئی "مَردے از غیب" ظاہر ہو اور بغیر توبہ و اصلاح، اور بغیر محنت و مشقت انہیں ان کے خوابوں کی جنت میں آباد کردے، نہ یہ کہ انہیں تجدیدِ ایمان اور اصلاحِ اعمال کی دعوت دے، اور جہاد و قتال کی مشقتوں سے دوچار کردے۔

چنانچہ جب ان پیشینگوئیوں کے مصداقِ اول یعنی حضرت عیسیٰ "مسیح اول" کی حیثیت سے صریح ترین معجزات کے ساتھ یہ کہتے ہوئے تشریف لائے کہ "میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں آیا ہوں!" اور انہوں نے توبہ کی منادی کی تو بجائے اس کے کہ یہودی ان کی دعوت پر لبیک کہہ کر دنیوی اور اخروی فلاح حاصل کرنے کی سعی کرتے، ان کے مفتیوں اور قاضیوں نے انہیں کافر اور مرتد قرار دے کر اپنے بس پڑتے تو سولی پر چڑھوا کر ہی دم لیا، یہ دوسری بات ہے کہ اللہ نے انہیں معجزانہ طور پر بچا کر اپنی جانب اٹھالیا۔ بعد ازاں جب چھ سو سال کے بعد، تمام انبیاء اور رسولوں کی پیشینگوئیوں کے مصداقِ کامل و اَتم، جو "مذہبی سیادت" اور "سیاسی قیادت" دونوں کے جامعِ کامل ہونے کے اعتبار سے گویا یہود کی اصطلاح کے مطابق مسیح کامل و آخر تھے (صلی اللّٰہُ علیہ وَسلّم و فداہ آباءُ نا وَ امہاتنا) تو یہودیوں نے ان کی دشمنی پر بھی کمر ہمت پوری طرح کس لی۔ اور آپؐ کی رحمت لِلعالمینی کے صدقے جس "رحم کی درخواست" (MERCY APPEAL) کا موقع انہیں سورۂ بنی اسرائیل کی آیات ۸ اور ۹ کے مطابق ملا تھا اسے بھی ضائع کردیا----- چنانچہ ان کا دوسرا دورِ زوال جو ۲۰۰ ق م کے لگ بھگ مکابی سلطنت کے خاتمے کے بعد سے شروع ہو کر ۷۰ء میں اپنی پوری شدت کو پہنچ گیا تھا جب رومی جرنیل ٹائٹس نے ہیکلِ سلیمانی کو دوسری بار مسمار کردیا تھا اور یہودیوں کو نہ صرف یروشلم بلکہ پورے ملک فلسطین سے جلاوطن کردیا تھا، جس سے ان کے "دورِ انتشار" (DIASPORA) کا آغاز ہوا تھا، موجودہ یعنی بیسویں صدی عیسوی کے آغاز تک گویا دو ہزار سال سے زائد عرصہ تک جاری رہا----- اور

اس پورے عرصے کے دوران میں یہودیوں کو جہاں ایک جانب ان کی نسل پرستی نے سہارا دیئے رکھا وہاں ایک حسین مستقبل کی امید اور "مسیح موعود" کے انتظار نے بھی ان کی ہمت بندھائے رکھی!

اس "پس منظر" میں عالمِ یہودیت کے موجودہ "پیش منظر" کو سمجھنے کے لئے پہلے دو تشبیہیں خود مسلمانوں کے حالات کے حوالے سے ذہن نشین کرلیں: (۱) جس طرح اپنے موجودہ دورِ زوال میں ہم مسلمانوں کی عظیم اکثریت بھی بس نام کی مسلمان ہے' دین اور شریعت پر بالفعل عمل مسلمان کہلانے کے لئے ضروری نہیں! اسی طرح موجودہ یہودیوں کی بھی اکثریت لبرل اور سیکولر لوگوں پر مشتمل ہے' مذہبی اور "عامل" (PRACTICING) یہودی بہت کم ہیں! اور جس طرح اس صدی میں اکثر مسلمان ممالک نے بھی یورپی استعمار کے چنگل سے جن تحریکوں کے ذریعے نجات حاصل کی ان کی قیادت لبرل اور سیکولر مزاج کے لوگوں کے ہاتھ میں تھی' اسی طرح یہود کی باسی کڑھی میں جو ابال اس صدی کے دوران آیا وہ بھی اس "صیونیت" کی زیرِ قیادت آیا ہے جو ایک خالص نسل پرستانہ قومی تحریک ہے جس کا مذہب سے کوئی سروکار نہیں! (۲) مزید برآں جس طرح ہمارے یہاں اثنا عشری شیعہ اپنے عقیدے کے مطابق امام غائب کے ظہور کے منتظر تھے اور ان کے مذہبی عناصر ظہورِ امام سے قبل کسی عملی جدّوجہد کے لئے آمادہ نہیں تھے' اسی طرح مذہبی یہودی بھی "مسیح موعود" کی آمد سے قبل کسی سیاسی یا عسکری جدّوجہد کے لئے آمادہ نہیں تھے۔ اور جس طرح جناب آیت اللہ خمینی کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ایران کے شیعہ عوام کو آمادہ کرلیا کہ "ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا" ہونے کے بجائے امامِ منتظر کی راہ صاف کرنے کے انداز ہی میں سہی کچھ نہ کچھ ہاتھ پاؤں ضرور ہلائیں' جس کے نتیجے میں ایران میں سیکولر بادشاہت کا خاتمہ ہوا اور ایک مذہبی حکومت قائم ہوگئی' اسی طرح ان لبرل اور خالص سیکولر مزاج کے حامل "بزرگانِ صیون" (ELDERS OF THE ZION) نے جن کی اکثریت یورپ کو اپنے سودی معیشت کے جال میں

پھنسا لینے والے یہودی بینک کاروں اور فنانسروں پر مشتمل تھی اب سے لگ بھگ ایک سو سال قبل ایک لائحہ عمل تیار کیا، جس کے نتیجے میں اولاً ۱۹۱۷ء میں اعلانِ بالفور کے ذریعے یہودیوں کے فلسطین میں از سرِنو آباد ہونے کا آغاز ہوا، اور بالآخر ۱۹۴۸ء میں سلطنتِ اسرائیل کا قیام عمل میں آگیا جس نے ۱۹۶۷ء میں اپنی حدود میں توسیع کر کے مزید یہودیوں کی آبادکاری کی صورت پیدا کرلی۔

اور اس کا وہ اہم ترین نتیجہ، جو اس مسئلے سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کی اکثریت کی نگاہوں سے بھی اوجھل ہے، یہ ہے کہ اب یہودی تحریک کی قیادت سیکولر اور لبرل عناصر کے ہاتھوں سے نکل کر مذہبی اور فنڈامنٹلسٹ یہودیوں کے ہاتھ میں جارہی ہے۔ اس لئے کہ ۱۹۶۷ء کی "عظیم فتح" کے بعد سے مذہبی یہودیوں کے کانوں میں اُس دورِ مسعود کی نوید کی گھنٹیاں از سرِنو بجنی شروع ہو گئی تھیں جو حزقی ایل نبیؑ کی حسب ذیل پیشینگوئی میں وارد ہوئی تھی:

> "میں اپنی بھیڑوں کو ڈھونڈوں گا اور ان کو ہر جگہ سے جہاں وہ ابر اور تاریکی کے دن تتر بتر ہو گئی ہیں چھڑا لاؤں گا، اور میں ان کو سب امتوں کے درمیان سے واپس لاؤں گا اور سب ملکوں میں سے فراہم کروں گا اور ان ہی کے ملک میں پہنچاؤں گا اور اسرائیل کے پہاڑوں پر نہروں کے کنارے...... اچھی چراگاہ میں چراؤں گا۔"

اور

> "خداوند خدا فرماتا ہے۔ میں گم شدہ کی تلاش کروں گا اور خارج شدہ کو واپس لاؤں گا اور شکستہ کو باندھوں گا اور بیماروں کو تقویت دوں گا لیکن موٹوں اور زبردستوں کو ہلاک کروں گا"۔ (حزقی ایل: باب ۳۴ آیات ۱۲ تا ۱۶)

یہی وجہ ہے کہ جب اسرائیل کی جانب "ہجرت" کا غلغلہ بلند ہوا تو اس میں سبقت کرنے والوں کی اکثریت مذہبی یہودیوں پر مشتمل تھی، جو مشرق و مغرب اور شمال و جنوب سے اس کی جانب بالکل اس شان سے کھنچے چلے آئے جس کا نقشہ کتاب

زکریاہ کے باب ۸ کی آیت ۲۳ میں ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے:

"رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ ان ایام میں مختلف زبانیں بولنے والوں میں سے دس دس آدمی ہاتھ بڑھا کر ایک ایک یہودی کا دامن پکڑیں گے اور کہیں گے کہ ہم تمہارے ساتھ جائیں گے کیونکہ ہم نے سنا ہے کہ خدا تمہارے ساتھ ہے۔"

اور یہ اس لئے کہ "دورِ انتشار" میں دور دراز کے ممالک میں رہنے کے باعث ان کے رنگ و روپ بھی بدل گئے ہیں اور زبانیں تو یکسر تبدیل ہو چکی ہیں۔ مزید بر آں، نسلی اختلاط کے باعث بہت سے غیر یہودی بھی ان میں شامل ہو گئے ہیں۔

بہرحال ان مذہبی یہودیوں کے اپنے مخصوص مذہبی عقائد و تصورات کی بنا پر حسب ذیل دو مقاصد بالکل واضح ہیں:

(۱) اس ہیکلِ سلیمانی کی تعمیر جو سوا انیس سو برس سے منہدم پڑا ہے اور جو ان کے نزدیک تقریباً وہی حیثیت رکھتا ہے جو ہم مسلمانوں کے لئے حرمِ کعبہ کی ہے! اور جس کی ایک بچی کھچی دیوار (WAILING WALL) کے پاس وہ جا کر غم و اندوہ کا اظہار اور گریہ و زاری کرتے رہتے ہیں! ------ ہیکل کی تعمیر کے لئے انہیں لامحالہ مسجدِ اقصیٰ کو شہید کرنا ہو گا۔ اور یہ ان کے نزدیک اس لئے بھی لازمی ہے کہ ان کی روایات کے مطابق ان کا وہ "تابوتِ سکینہ" (جس کا تذکرہ قرآن حکیم میں بھی سورۃ البقرہ کی آیت ۲۴۸ میں موجود ہے!) اس کی بنیادوں کے نیچے واقع ایک سرنگ میں مدفون ہے، جس میں ان کے عظیم ترین تبرکات یعنی تورات کی الواح، حضرت موسیٰؑ کا عصا، اور "مَنّ" کا مرتبان وغیرہ موجود ہیں۔ (چنانچہ حال ہی میں ہمارے ایک دوست جو پی آئی اے میں فلائٹ انجینئر ہیں بنکاک میں ٹیلی ویژن پر ایک ایسی دستاویزی فلم دیکھ آئے ہیں جس میں یہودیوں کے اس دعویٰ کو مبرہن اور ثابت کیا گیا ہے کہ ان کا تابوتِ سکینہ مسجد اقصیٰ کی بنیادوں کے نیچے موجود ہے۔ اور ہمارے ایک دوسرے دوست کو حال ہی میں منعقد ہونے والی ایک بین المذاہب کانفرنس کے موقع پر ایک یہودی

مندوب نے صریحاً بتایا کہ ہم زیادہ سے زیادہ دو تین سال تک ہیکل کی تعمیر کا آغاز کر دیں گے۔)

(۲) اس "عظیم تر اسرائیل" کا بالفعل قیام جس کی سرحدیں مغرب میں دریائے نیل سے مشرق میں دریائے فرات تک، اور شمال میں ترکی کے علاقہ اسکندرون سے جنوب میں مدینہ منورہ سمیت پورے شمالی حجاز اور نجد تک وسیع ہوں گی۔ اور جس کے سہانے خواب وہ ہزاروں برس سے دیکھ رہے ہیں۔

اس کے برعکس اسرائیل کی موجودہ صیہونی قیادت، خواہ اس کا تعلق بائیں بازو کی لیبر پارٹی سے ہو خواہ دائیں بازو کی لیکوڈ پارٹی سے، لبرل اور سیکولر مزاج یہودیوں پر مشتمل ہے۔ اور اس کی کم از کم فی الوقت ترجیح یہ ہے کہ ایک جانب لبرل اور سیکولر عیسائیوں (امریکہ + یورپ) کے ساتھ مفاہمت، اور دوسری جانب مشرق وسطیٰ کے لادینی اور مغرب پرست مسلمان حکمرانوں کے ساتھ مصالحت کے ذریعے ابتداءً پورے مشرقِ وسطیٰ کو ایک متحدہ اقتصادی بلاک کی حیثیت دے کر اپنی معاشی اور استحصالی چراگاہ بنا لیا جائے اور پھر تدریجاً اس عمل کو پورے کرۂ ارضی تک وسعت دے دی جائے۔ اور ان کے ان عزائم کی راہ میں رکاوٹ صرف فلسطین کی حماس، مصر اور الجزائر کے "فدائی اور جنونی" مسلمان فنڈامنٹلسٹ، اور سعودی عرب وغیرہ کے "سلفی" ہی نہیں ہیں، خود اسرائیل کے فنڈامنٹلسٹ یہودی بھی ہیں!

چنانچہ یہ اسی کا مظہر ہے کہ جیسے ہی اسرائیل کی موجودہ قیادت نے امریکہ اور یو این او کے زیر اثر پی ایل او کے ساتھ مفاہمت کا ڈول ڈالا، جس کی قیادت لبرل اور سیکولر مزاج لوگوں پر مشتمل ہے، اور اس نے نہایت حقیر سی قیمت پر (یعنی صرف غزہ اور جریکو میں محدود میونسپل اور پولیس اختیارات کے حصول کے عوض) اپنی پینتالیس سالہ مزاحمتی جدّوجہد کی عزّت و حرمت کو فروخت کر دیا، تو جہاں اس کے خلاف مسلمانوں کی فنڈامنٹلسٹ تنظیم "حماس" نے طبلِ جنگ بجا دیا ہے، وہاں فنڈامنٹلسٹ یہودی بھی آگ بگولا ہو گئے ہیں۔ حالانکہ اسرائیلی حکومت نے اس مفاہمت کے

دائرے سے یروشلم کو بالکل خارج رکھا ہے' اور فنڈا مینٹلسٹ یہودیوں کے اس غم و غصہ کا سب سے بھیانک مظہر یہ سامنے آیا ہے کہ ایک ایسے نوجوان یہودی ڈاکٹر نے جسے اس کے ساتھی نہایت شریف اور رحم دل معالج قرار دیتے تھے' اور جس کے چہرے پر نہایت حسین اور گھنی داڑھی بھی تھی (اور اس اعتبار سے وہ واقعتاً کوئی افغان مجاہد نظر آتا ہے) فجر کے وقت مسجد الخلیل میں داخل ہو کر اندھا دھند فائرنگ کر کے ستر اَسّی مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا! مزید بر آں' اس یہودی فنڈا مینٹلزم کے فروغ سے خود اسرائیلی حکومت جس درجہ خائف ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب اس وحشت ناک اور بربریت آمیز واقعہ کے نتیجے میں اسرائیل اور پی ایل او کے مذاکرات معطل ہوئے اور ان کے دوبارہ شروع ہونے میں تاخیر ہوئی تو وزیر اعظم اسرائیل نے پی ایل او کی قیادت کو متنبہ کیا کہ "ان مذاکرات کو جلد از جلد بحال کر لو ورنہ وقت ہاتھ سے نکل جائے گا!"

بہرحال اس تناظر میں ہر دیکھنے والی آنکھ کو "آنے والے دَور کی" یہ واضح تصویر نظر آتی ہے کہ یہ کوئی دن کی بات ہے کہ اسرائیل کے کسی داخلی سیاسی اکھیڑ پچھاڑ کے نتیجے میں وہاں کوئی ایسی فنڈا مینٹلسٹ یہودی حکومت قائم ہو سکتی ہے جس کا لیڈر "مسیح موعود" ہونے کا دعویٰ کر دے۔ اور پھر "ہرچہ بادا باد!" کے نعرے کے ساتھ عظیم تر اسرائیل کے بالفعل قیام' اور مسجدِ اقصیٰ کے انہدام اور ہیکلِ سلیمانی کی تعمیر کے داعیے کے ساتھ اٹھ کھڑا ہو۔

اس صورت میں عام طور پر پورے عالمِ اسلام اور خاص طور پر عالمِ عرب کے راسخ العقیدہ مسلمانوں پر ان کے احتجاجی ردِ عمل کے نتیجے میں (جیسے کہ اس سے قبل بھارت کی بابری مسجد کے معاملے میں ہو چکا ہے!) اولاً خود اپنی لبرل اور سیکولر مغرب پرست حکومتوں کے ہاتھوں' اور پھر مسیحِ دجال اور اس کے حواریوں کے ہاتھوں حدیثِ نبویؐ: "وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ!" (ابوداؤدؒ عن ابی ہریرہؓ) یعنی "افسوس اور تباہی ہے عرب کے لئے اس شر کے باعث جو قریب آچکا ہے!" کے

مصداق جو قیامت بیتے گی اس کی تفصیل تو حدیثِ نبویؐ کی کتابوں کے "ابوابِ ملاحم" میں دیکھی جا سکتی ہے۔ رہی یہ بات کہ اس پورے معاملے کا ڈراپ سین اور آخری انجام کیا ہو گا تو وہ موجودہ بحث کے دائرے سے خارج ہے' (اس کی تفصیل راقم اپنی حالیہ تالیف: "سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی' حال اور مستقبل" میں بیان کر چکا ہے۔)

البتہ ایک بات واضح رہنی چاہئے کہ اگر بحالاتِ موجودہ امریکہ یا اس کے حواریوں نے اس فتنۂ مسیحِ دجال کی راہ میں کسی درجہ میں بھی رکاوٹ بننے کی کوشش کی تو یہودی بینک کار اور سرمایہ دار اس کو بھی اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کی پوری اہلیت رکھتے ہیں جس طرح انہوں نے حال ہی میں عظیم سوویٹ یونین کے کر دیئے ہیں! اس لئے کہ وہ حقیقتِ واقعی جس کا مشاہدہ لگ بھگ نوے برس قبل تو صرف علامہ اقبال ایسے نابغۂ عصر کی "نگاہِ تیز" ہی کر سکتی تھی' یعنی ع "فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے!" اب مغرب کے اس مالیاتی نظام کی صورت میں ایک عام انسان کو بھی بچشمِ سر نظر آ رہی ہے' جس کا کنٹرول لیور بالکلیہ یہودی سرمایہ کاروں کے ہاتھ میں ہے کہ جب چاہیں اور جدھر چاہیں موڑ دیں۔ کاش کہ جھوٹے اور مکّار مسیحِ دجال کے ظہور سے قبل حقیقی مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے نام لیوا ان کے اور اپنے اصل دشمن کی پہچان حاصل کر لیں!

بشکریہ روزنامہ جنگ

"تفکر و تدبر" (تین اقساط) شائع شدہ ۲۵ مارچ' یکم اپریل' ۸-۹ اپریل ۱۹۹۴ء

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

حجابِ نسواں

"دل کا پردہ" - ایک مغالطہ آمیز اصطلاح

سید مظہر علی ادیب

متعدد بار یہ جملہ سنا اور پڑھا جاتا ہے کہ "اصل پردہ تو دل کا ہوتا ہے"۔ "دل کا پردہ" (یا قلب و نظر کا پردہ) کی اصطلاح بظاہر "عین اسلامی" معلوم ہوتی ہے اور ایک عام انسان اس اصطلاح کے پر کشش اور خوش نما الفاظ سے دھوکہ کھا سکتا ہے۔ لہٰذا اس کا جائزہ یا تنقیدی تجزیہ ضروری ہے۔

"دل کے پردے" کے حامی لوگ در حقیقت کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اگر ایک عورت کا دل نیک ہے' اس کی نیت صاف ہے اور اس کی "آنکھ میں حیا" ہے تو برقع (یا چادر) کی کیا ضرورت ہے۔ بازاروں' منڈیوں اور اسمبلیوں میں سر سے آنچل کھسک گیا تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑی؟ اگر ایک عورت کے "دل میں پردہ" نہیں اور اس کی "آنکھ میں حیا" نہیں' تو اسے اگر کمبل بھی پہنا دیا جائے تو کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ "پردہ" بے شک ایک عبادت ہے' لیکن اس عبادت کی اصل روح "شرم و حیا" ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کی نیت کو دیکھتا ہے' اس کے ظاہری اعمال کو نہیں' وغیرہ وغیرہ۔

یہ لوگ بات اسلام کے حوالے سے کرتے ہیں' اس لئے جواب بھی ان کو اسلام ہی کی روشنی میں دیا جانا چاہئے۔ اگر ہم "دل کے پردے" ہی کو اصل "اسلامی پردہ" تصور کر لیں تو قرآن کریم کی وہ آیات کہ جن میں رسول اللہ ﷺ کی پاک بیویوں' بیٹیوں اور عام مسلمان عورتوں کو بڑی چادر سے اپنے جسم کو ڈھانپنے کا حکم دیا گیا ہے' بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ کیا نعوذ باللہ حضور ﷺ کی بیویاں نیک دل نہ تھیں' کیا ان کی آنکھ میں حیا نہ تھی اور کیا ان کی نیت صاف نہ تھی کہ ان کو ستر پوشی کے احکام دیئے گئے؟ قرآن کریم کب یہ کہتا ہے کہ "قلب و نظر کے پردے" والی مسلمان عورتیں چادریں یا برقعے اتار کر پھینک دیں۔ قرآن تو نکاح کی عمر سے گزر جانے والی عورتوں کو بھی یہی مشورہ دیتا ہے کہ وہ

چادروں سے ستر پوشی کرتی رہیں تو بہتر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت کی ستر پوشی اس کی پیدائش سے لے کر اس کے کفن دفن تک باقی رہتی ہے۔ اس کے علاوہ اگر "دل کے پردے" ہی کو کافی سمجھ لیا جائے تو قرآن کریم کی وہ فہرست کہاں جائے گی کہ جس میں محرم و نامحرم کی تفصیل درج ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ عورت اپنی زینت کے ساتھ کن کن مردوں کے سامنے آسکتی ہے۔ قرآن عورتوں کو "اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بُکل مارنے" اور "اپنے اوپر اپنی چادروں کے گھونگھٹ" ڈالنے کا واضح حکم دیتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب ایک "دل کے پردے" والی عورت برقع' چادر یا اوڑھنی لیتی ہی نہیں تو وہ قرآن کے ان احکامات پر عمل کیسے کرے گی؟

جب "پردے" کو ایک عبادت تسلیم کر لیا گیا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس "عبادت" کی ادائیگی کے طریقے یا آداب کیا ہیں؟ شریعت اس ضمن میں ہماری کیا رہنمائی کرتی ہے؟ دوسری عبادات کی طرح "پردے" کی عبادت کی بھی کوئی مخصوص فارم ہے یا نہیں؟ اگر اس عبادت کی کوئی فارم ہے' اس کی ادائیگی کے کچھ نہ کچھ آداب متعین ہیں — جو یقیناً ہیں — تو کیا مسلم خواتین کو ان پر عمل پیرا نہیں ہونا چاہئے؟ کیا اس عبادت کا یہ صریح تقاضا نہیں ہے؟ بیشک "پردے" کی اصل روح شرم و حیا ہے' لیکن یوں تو نماز کی اصل روح عاجزی و انکساری ہے اور روزہ کی اصل روح تقویٰ ہے' قربانی کا اصل مقصد جذبۂ قربانی و خودسپردگی ہے اور حج کا حقیقی مدعا ذہنی انقلاب ہے تو کیا ان عبادات کی تمام ظاہری شکلوں کو ختم کر دیا جائے اور صرف ان کی "اصلی روح" کو دوسرے طور طریقوں کے ذریعہ اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کی جائے؟ کسی بھی زاویۂ نگاہ سے یہ اندازِ فکر درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔ دل کی نماز' دل کا روزہ' دل کا حج یا دل کی زکوٰۃ' قربانی وغیرہ کو اگر صحیح اور حقیقی عبادت تسلیم کر لیا جائے تو نماز کے لئے وضو کرنے اور مسجد میں جانے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ روزے کے لئے سحری اور افطاری کی کیا ضرورت ہے؟ حج کے لئے مکہ مکرمہ کے سفر کی کیا ضرورت ہے؟ زکوٰۃ کے لئے پیسہ خرچ کرنے اور قربانی کے لئے جانور ذبح کرنے کی کیا اہمیت ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی تمام عبادات' بشمول پردہ اپنی "اصل روح" کے ساتھ ساتھ اپنا ایک "اصل قالب" (سانچا) بھی رکھتی ہیں۔ "روح" اپنے قالب کے

لئے خود ایک "قالب" کا تقاضا کرتی ہے۔ جب انسان کا جسم (قالب) ختم ہو جاتا ہے تو روح بھی اس جسم سے نکل جاتی ہے۔ پردے کی روح "شرم و حیا" ہے اور وہ کپڑا جس سے چہرے اور جسم کا حسن چھپایا جاتا ہے اس کا "قالب" ہے۔ قالب و روح دونوں ہی ضروری ہیں۔ یہی فاضل کپڑا "عورت کے دل کے پردے" کو ظاہر کرتا ہے' اس کی "آنکھ کی حیا" کی علامت ہے اور اس کی "نیت کی پاکیزگی" کا مظہر ہے۔ جیسے وضو اور رکوع و سجدہ کے بغیر نماز نماز نہیں' شب خیزی اور سحری و افطار کے بغیر روزہ روزہ نہیں' اور خانہ کعبہ کی زیارت اور طواف کے بغیر حج حج نہیں' ویسے ہی برقع' نقاب یا چادر کے بغیر پردہ پردہ نہیں۔ اور جو عورت اس اہتمام کے بغیر "دل کے پردے" کی آڑ میں "باپردہ" ہونے کی دعویدار ہے وہ بلاشک وشبہ منافق ہے۔ حقیقت میں اس کا دل پردے کے احساس سے خالی ہے۔ قلبی طور پر وہ "پردہ" کرنا ہی نہیں چاہتی۔ "دل کے پردے" کی اصطلاح تو صرف اس نے بے پردہ ہونے کے لئے گھڑی ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ ہماری نیتوں کو دیکھتے ہیں' لیکن نیتوں کا عملی اظہار زبان اور اعضاء و جوارح سے بھی ہونا چاہئے۔ جب مسلمان نماز کے لئے دل میں نیت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیت کو جان لیتے ہیں۔ مگر پھر بھی بہتر ہے کہ نماز کی نیت کا زبان سے اظہار کیا جائے۔ کوئی بھی عبادت' نیکی یا خوبی ہو' نیت کے ساتھ ساتھ اس کا عملی مظاہرہ ضروری ہے۔ اگر ایک مسلمان عورت کی نیت واقعی پردہ کرنے کی ہے تو اسے شریعت اور روایت کے مطابق عملاً برقع یا نقاب دار چادر پہن کر اس نیت کا اظہار کرنا چاہئے۔

پھر یہ کیسی "نیک نیت" ہے کہ اعمال بدنیتی کا پتہ دے رہے ہیں۔ "دل میں پردہ" ہے اور سر سے پاؤں تک "بے پردہ" ہے۔ "آنکھ میں حیا" ہے اور بے حیائی کے کاموں میں رات دن مصروف ہے۔ ماڈل گرل' سیلز گرل بن کر تاجروں کی تجارت کو فروغ دے رہی ہے' ایئر ہوسٹس بن کر مسافروں کی "خدمت" کر رہی ہے' ایکٹرس بن کر فلموں میں عشقیہ و فحش گانے گا رہی ہے' ناچ رہی ہے' پھلانگ رہی ہے' بھیگ رہی ہے' غیر مردوں کے بازوؤں میں کھیل رہی ہے۔ ٹی وی فنکارہ بن کر کبھی اِس مرد کی اور کبھی اُس مرد کی معشوقہ' بیوی اور بہن بن رہی ہے' اور "بھائی" کے ہاتھ پاؤں دبا رہی ہے۔ ڈریس شو میں جسم کے

زاویئے بنا بنا کر نسوانی حسن کا مظاہرہ کر رہی ہے اور ثقافتی طائفوں میں شریک ہو کر اپنے فن سے مردوں کے جنسی جذبات کو بھڑکا رہی ہے اور دعویٰ یہ ہے کہ اس کے "دل میں پردہ" ہے اور اس کی "آنکھ میں حیا" ہے۔ کیا یہی حیا کے حقیقی تقاضے ہیں؟ کیا نیک نیت ہونے کا یہی مدعا و مقصد ہے؟ کیا باطن و ظاہر کا یہ تضاد یا قول و فعل کی یہ دوئی باعثِ بدنامی و ذلت نہیں؟

بالفرض اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ایک عورت برقع یا چادر کے بغیر بھی (شاید عموی لباس سے بھی کم لباس کے ساتھ) باحیا ہو سکتی ہے اور "بے پردگی" سے اس کا مقصد نمائشِ حسن نہیں ہے، تب بھی صنفِ مخالف کے دل میں عورت کے لئے جو فطری کشش ودیعت کر دی گئی ہے، اسے کیسے ختم کیا جا سکتا ہے؟ عورت کے چہرے اور جسم کے بے پردہ حسن سے سوسائٹی میں جو فتنے پیدا ہوتے ہیں ان سے کس طرح بچا جا سکے گا؟ اس کے برہنہ سر کے خوبصورت بال، بے پردہ جسم کے نشیب و فراز اور حسین و جمیل لباس نوجوان لڑکوں کو اپنی طرف کیوں مائل نہیں کریں گے؟ کیا عورت کے جسم کی یہ بے پردگی اور غیر مردوں کے ساتھ اس کا عام میل ملاپ معاشرے کی فضا کو پاکیزگی سے محروم نہ کر دیں گے؟ ستر پوشی نہ صرف خود عورت کی عزت و ناموس کی حفاظت کرتی ہے بلکہ مردوں کے دلوں اور ان کی نگاہوں کو بھی جنسی آلودگی سے بچاتی ہے۔

الغرض "دل کا پردہ" یا "آنکھ کی حیا" دو انتہائی گمراہ کن اصطلاحیں ہیں۔ ان اصطلاحوں کو ان عورتوں نے ایجاد کیا ہے جنہوں نے برقع یا چادر نہ پہننے کی قسم کھا رکھی ہے اور انہیں پردے سے شدید چڑ ہے۔ یہ درحقیقت "دل کے پردے" کی آڑ میں ہر قسم کی بے پردگی و آزادیٔ بے مہار کا جواز پیدا کرنا چاہتی ہیں۔ بات بہت سیدھی سی ہے۔ معاشرے کا اونچا طبقہ اپنی ایمانی کمزوری، غلط تعلیم، دولت کی فراوانی، مغرب زدگی اور اپنی اعلیٰ ملی روایات سے انحراف کے باعث "پردے" کو ترک کر رہا ہے۔ بے پردگی، سٹیٹس سمبل بنتی جا رہی ہے۔ اب ایک بھیڑ چال نے جنم لے لیا ہے۔ نچلے اور درمیانی طبقے سے تعلق رکھنے والی خواتین، اونچے طبقے میں شمار ہونے کی غرض سے بے پردگی کے مصنوعی سٹیٹس سمبل کو اپنا رہی ہیں۔ اخلاقی جرأت کے فقدان کے سبب شرعی پردے کی کھل کر

مخالفت نہیں کر سکتیں اور نہ بے پردگی کی اس طرح حمایت ہی کر سکتی ہیں۔ لہٰذا منافقانہ انداز میں یہ عورتیں "دل کے پردے" کو آگے لے آئی ہیں اور "آنکھ کی حیا" کا فلسفہ گھڑ لیا گیا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ "دل کا پردہ" اسلامی پردے کے خلاف ایک سازش ہے، شرعی حجاب سے فرار کا ایک نیا انداز ہے، ملی روایات سے بغاوت ہے، قومی اقدار سے انحراف ہے، ایک دھوکہ ہے، فریب ہے، بدعت ہے، کھلی عیاری و مکاری ہے، دل کے کھوٹ کو چھپانے کا ایک ڈھونگ ہے۔ یہ "دل کا پردہ" نہیں ہے بلکہ دل پر جہالت کا پردہ ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ہماری ان راہ گم کردہ خواتین کی رہنمائی فرمائے اور انہیں شرعی حجاب اختیار کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۗؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ

(الحج - آیت ۳۷)

اللہ تک تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا مگر تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

قربانی ہماری معاشرتی رسم ہے یا دینی فریضہ!

عید الاضحیٰ کے مبارک موقع پر قربانی کے ساتھ

قربانی کی رُوح اور مقاصد کو سمجھنے کے لیے

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی تالیف

عید الاضحیٰ اور فلسفہ قربانی

کا مطالعہ ضرور کیجیے

• سفید کاغذ • رنگین سرورق • ۴۸ صفحات • قیمت صرف چار روپے

مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶-K ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴

قریبی بکسٹال سے خریدیئے یا ہم سے منگوائیے!

تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ (TINA) کی تشکیلِ نو

اور

نیویارک 'نیو جرسی کی تنظیم کی حوصلہ افزا کارکردگی کا مختصر جائزہ

سراج الحق سید

تنظیم اسلامی نیویارک 'نیو جرسی: جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے 'ان دو علاقوں پر مشتمل ہے۔ یہ مقامی تنظیم TINA یعنی تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ جس میں یونائیٹڈ اسٹیٹس اور کینیڈا دونوں شامل ہیں 'کا حصہ ہے۔ جن حضرات نے بھی ماہنامہ میثاق نومبر ۹۳ء کا مطالعہ کیا ہے 'ان کے علم میں ہو گا کہ تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ خوابیدگی (dormancy) کی سی کیفیت میں تو گزشتہ کئی سال سے تھی ہی لیکن ۹۰ء کے اوائل سے اس میں ایک شکست و ریخت کا ایسا عمل شروع ہو گیا تھا جس نے TINA کی بنیادیں تک ہلا دیں۔ نبی اکرم ﷺ کے ایک خطبہ مبارک کے مطابق امید تو یہ کی جاتی تھی کہ "اِنَّ الرَّائِدَ لَا یَکْذِبُ اَھْلَہٗ " رائد اپنے قافلے والوں کو کبھی دھوکا نہیں دیتا۔ لیکن حالات کی ستم ظریفی تھی کہ بعض قائدین اور سینئر رفقاء نے اس ناروا عمل کو نہ صرف شروع کیا بلکہ اس کی رہنمائی بھی کی۔ بقول شاعر "جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے"۔ امیر تنظیم اسلامی نے پورے ڈیڑھ سال تک ہر ممکنہ کوشش کی کہ TINA کے رفقاء بیعت سمع و طاعت کے تقاضوں کو سمجھیں اور انہیں پورا کریں۔ بالآخر یہ دیکھتے ہوئے کہ ان کی اکثریت اس معاملے میں سنجیدہ نہیں ہے 'امیرِ محترم نے اگست ۹۱ء میں تجدیدِ بیعت کی بنیاد پر TINA کی جگہ FOTIP' یعنی فرینڈز آف تنظیم اسلامی پاکستان (FRIENDS OF TANZIM-E-ISLAMI PAKISTAN) کے نام سے

شمالی امریکہ کے لئے ایک حلقہ قائم کیا اور شکاگو میں جناب عطاء الرحمٰن صاحب کو اس کا ناظم حلقہ مقرر کیا۔ چونکہ TINA کی شکست وریخت کا پورا عمل گویا اس خاکسار کی نگاہوں کے سامنے سے گزرا تھا اس لئے قرآن حکیم کی ایک آیت (سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۵۹) کا وہ حصہ بار بار ذہن میں آتا تھا: "قَالَ اَنّٰی یُحۡیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعۡدَ مَوۡتِهَا" (بولا کیونکر زندہ کرے گا اس کو اللہ مرگئے پیچھے) لیکن کچھ روز قبل تنظیم اسلامی نیویارک' نیوجرسی کی گزشتہ چند ماہ کی رپورٹ دیکھ کر سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۱۷ نظروں کے سامنے بجلی کی طرح کوند گئی جس میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: "اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا' قَدۡ بَیَّنَّا لَکُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ" (یاد رکھو کہ اللہ زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مرنے کے بعد۔ ہم نے کھول سنا دیئے تم کو پتے تاکہ تم سمجھو)

اس "عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ" ہستی' اس مسبب الاسباب نے ۹۳ء میں ہونے والے امیر محترم کے امریکہ کے دو دوروں کو سبب بنایا کہ تنظیم اسلامی اپنے محدود حلقہ FOTIP سے نکل کر ایک شجرِ طیّبہ کی طرح شمالی امریکہ کے مختلف علاقوں' خصوصاً بڑے بڑے شہروں میں جڑ پکڑے اور برگ وبار لائے۔ نیویارک' نیوجرسی کی تنظیم اسی شجر طیبہ کی ایک ثمردار شاخ ہے۔

الحمد للہ کہ یوں تو TINA کی تمام مقامی تنظیموں میں تنظیمی اور دعوتی سرگرمیاں جاری ہیں لیکن نیویارک' نیوجرسی کی مقامی تنظیم کی بعض خصوصیات بڑی پرکشش ہیں' مثلاً:۔

(i) بفضلہ تعالیٰ اس تنظیم کے جواں سال اور جواں عزم امیر جناب اسرار خاں انگریزی میں درس دینے لگے ہیں۔ انہوں نے Teaneck نیوجرسی کی مسجد میں تقریباً ۵۰۰ حاضرین کے سامنے سورۃ العصر کا درس دیا۔ اللہ کرے زور بیاں اور زیادہ' بلکہ انگریزی زبان کے حوالے سے More power to him کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

(ii) یہاں کا شعبۂ خواتین بھی ماشاء اللہ سرگرم ہے۔ رفیقات کی تعداد ۱۸ ہے اور ان میں سے ۸ خواتین وہ ہیں جن کے شوہر بھی تنظیم اسلامی کے رفیق ہیں۔ یہ بات یقیناً نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ خواتین کے اجتماعات میں ان رفیقات کی حاضری سو فیصد رہی

جن کے شوہر بھی تنظیم کے رفیق ہیں۔ ایسے گھرانے واقعی بڑے بابرکت ہیں کہ جہاں شوہر اور اس کی رفیقہ حیات مخالف سمت میں pull اور push کرنے کی بجائے دونوں مل کر اپنی تمام توانائیاں دین کے قیام کی جدوجہد میں لگا رہے ہیں۔ یہ ایک حسنِ اتفاق ہے کہ تنظیم نیویارک، نیوجرسی کے امیر اسرار خاں کی اہلیہ وہاں حلقہ خواتین کی ناظمہ ہیں اور تنظیم کے معتمد راحیل ملک کی اہلیہ حلقہ خواتین کی "سیکریٹری" ہیں۔

(iii) نیویارک، نیوجرسی تنظیم کی تیسری خصوصیت جس نے مجھے بہت متأثر کیا ہے وہ اس کے رفقاء کا جوش وجذبہ ہے۔ شمالی امریکہ کے لئے اسلام کی انقلابی دعوت کا مرکز قائم کرنے کی کوششیں، امیر محترم کے دروس وخطابات کے آڈیو/ ویڈیو کیسٹس کی وسیع پیمانے پر اشاعت، کیمونٹی کے اخبارات میں امیر محترم کے بعض مضامین اور اب خصوصیت سے خطاب جمعہ کے پریس ریلیز شائع کرنے کا انتظام، یہ تمام امور نیویارک، نیوجرسی کی تنظیم کے فعال اور متحرک ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

اس تعارف کے بعد اب آپ تنظیم اسلامی نیویارک، نیوجرسی کی رپورٹ کے چیدہ چیدہ حصے ملاحظہ فرمائیے۔ یہ خلاصہ راحیل ملک، معتمد تنظیم کے الفاظ میں ہی پیش کیا جارہا ہے۔ اور ان کی اس معذرت کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے جس کا ذکر انہوں نے میرے نام خط میں بایں الفاظ کیا ہے کہ "راقم حیاتیات کا طالبعلم ہے۔ اس نے قلم صرف ادائیگی فرض کے ضمن میں اٹھایا ہے۔ چنانچہ اب کیا کچھ اہم چیزیں ضبطِ تحریر میں آنے سے رہ گئیں یا جن چیزوں کی اہمیت نہ تھی اس کی تفصیل بیان کی گئی وغیرہ اس کا احساس ہے۔ شاید ان سب کی وجہ یہ ہے کہ راقم کی طبیعت لکھنے کی جانب آسانی سے آمادہ نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے معذرت قبول فرمائیں۔ آپ کی جانب سے رہنمائی درکار ہے۔" سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا رہنمائی کروں کیونکہ خود میرا اپنا حال بھی راحیل جیسا ہی ہے۔ انگریزی میں تو ایسے موقعہ پر مزاحاً کہتے ہیں "join the club" لیکن سنجیدگی سے تو یہ ہی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کم یا زیادہ صلاحیت ہمیں عطا فرمائی ہے، ہم اسے پوری طرح دین کے کام میں لگادیں۔ ہماری مسئولیت تو بس اسی حد تک ہے۔

رپورٹ تنظیم اسلامی نیویارک' نیوجرسی

مرتب : محمد راحیل ملک

" نیویارک' نیوجرسی کی تنظیم کا باقاعدہ قیام ۱۸ ستمبر ۱۹۹۳ء کو عمل میں آیا۔ امیرِ محترم نے جناب محمد اسرار خاں صاحب کو امیر مقرر کیا اور ان کی معاونت کے لئے بطور ناظم جناب عارف ضیاء' ناظم بیت المال جناب ابراہیم لونت اور راقم (راحیل ملک) کو معتمد نامزد کیا۔ قیام کے وقت رفقاء کی تعداد ۱۷ تھی' جس میں سے تین رفقاء کی کمی واقع ہوئی۔ برادر نوید انور پاکستان اور برادر محمد افضل ورجینیا (VA) منتقل ہو گئے۔ جبکہ ہمارے ایک رفیق (برادر فیروز شیخ) نے نجی مجبوریوں کے باعث عارضی طور پر نظم کی پابندی سے رخصت طلب کی ہے۔ اس دوران چار نئے رفقاء تنظیم میں شامل ہوئے۔ برادر محمد طارق ہمارے ایک رفیق جناب عبدالخالق کے بڑے بھائی ہیں۔ جناب برادر جنید عباسی ہمارے محترم امیر اسرار خاں صاحب کے برادر نسبتی ہیں۔ برادر جنید عباسی کے والد اور برادر اسرار خاں صاحب کے خسر جناب اقبال عباسی بھی امیر محترم سے بیعت ہیں۔ ان کا اکثر وقت چونکہ پاکستان میں گزرتا ہے' اس لئے انہیں رفقاء کی مقامی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا۔ نئے شامل ہونے والے رفقاء میں برادر اشتیاق احمد اور برادر اطہر محمود جناب اسرار خاں صاحب کے عزیزوں میں سے ہیں۔ اس طرح اس وقت ہمارے رفقاء کی کل تعداد ۱۸ ہے۔ واضح رہے کہ اس تعداد میں اسرہ TRENTON نیوجرسی' جو نیویارک سے ۷۰ میل دور ہے' کے دو رفقاء برادر احسن بیگ اور نقیب اسرہ جناب برادر محمد حسین بھی شامل ہیں۔ یہ اسرہ نیویارک کی تنظیم سے متعلق ہے۔ اس طویل فاصلے کے باوجود دونوں محترم رفقاء تنظیمی پروگراموں میں مستعدی سے شریک ہوئے ہیں۔

امیر محترم جناب ڈاکٹر صاحب کے طے کردہ نظام کے مطابق پندرہ روزہ اجتماعات باقاعدگی سے منعقد ہوتے ہیں۔ ایک اجتماع دعوتی ہوتا ہے اور ایک تنظیمی اجتماع ہوتا ہے۔ ۲۲ نومبر ۹۳ء سے اب تک کل گیارہ اجتماعات ہوئے ہیں' جن میں سے ۵ دعوتی اور ۶ تنظیمی اجتماع ہوئے ہیں۔ یوں تو اس پورے عرصہ میں متعدد بار موسم غیر معمولی طور پر شدید اور

طوفانی رہا تاہم صرف ایک اجتماع منسوخ یا ملتوی ہوا۔ یہ اجتماعات مختلف مقامات پر منعقد کئے گئے، جن میں سے بیشتر کے میزبان رفقاء تھے اور ان میں رفقاء کی حاضری کا تناسب ۸۰ فیصد رہا۔ دعوتی اجتماعات میں احباب کی تعداد مختلف رہی۔ ان اجتماعات کا آغاز درس قرآن (منتخب نصاب نمبرا) سے ہوتا ہے۔ یہ درس بہت محنت اور تیاری کے بعد محترم اسرار خاں صاحب دیتے ہیں۔ آپ کی مقررانہ صلاحیتیں اس دوران بہت نکھری ہیں۔ اگرچہ عربی، تجوید اور بعض الفاظ کے تلفظ پر مزید توجہ کی ضرورت ہے۔ ہمیں ایک خوشگوار حیرت اس وقت ہوئی جب محترم اسرار خاں صاحب نے انگریزی زبان میں سورۃ العصر کا ایک مختصر درس تقریباً ۵۰۰ حاضرین کے سامنے TEANECK نیوجرسی کی مسجد میں دیا۔ چنانچہ ہم میں سے اکثر رفقاء کی خواہش ہے کہ وہ انگلش میں بھی درس قرآن اور خطابات کی طرف توجہ دیں۔ دیگر رفقاء میں سے جن کی مقررانہ صلاحیتیں سامنے آئی ہیں ان میں جناب ممنون احمد مرغوب اور خاص طور سے برادر عارف ضیاء شامل ہیں۔

ہمارے دعوتی پروگراموں میں سے جن کا مختصراً ذکر کروں گا ان میں سے ایک اجتماع برادر عبدالخالق صاحب کے گھر پر ہوا، جس میں ان کے ۳۰ کے قریب عزیز و رشتہ دار موجود تھے۔ یہاں بھرپور پروگرام ہوا، جس میں رفقاء کو خطاب کرنے کا موقعہ ملا اور انہیں اعتماد حاصل ہوا۔ ایک پروگرام رمضان المبارک میں مسلم سنٹر آف نیویارک میں کیا گیا۔ یہاں امیر محترم جناب ڈاکٹر صاحب کا خاصا تعارف ہے۔ رفقاء نے اس پروگرام کے لئے بڑی محنت کی تھی، لیکن حاضری بہت کم رہی۔ شاید رمضان المبارک کی مصروفیت اس کا باعث ہوئی۔ ایک خصوصی دعوتی اور تربیتی پروگرام مسجد الصفا ٹرینٹن (TRENTON) نیوجرسی کے رفقاء نے ترتیب دیا۔ رفقاء نے شب بسری مسجد میں کی۔ فجر کی نماز کے بعد تنظیم اسلامی کا تعارف انگریزی زبان میں راقم نے پیش کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد اس مسجد میں عصر تک تربیتی پروگرام کیا گیا۔ راقم کے علاوہ محترم اسرار خاں صاحب اور جناب ممنون احمد مرغوب صاحب نے بطور مدرسین خطاب کیا۔ رفقاء نے مجموعی طور سے اس پروگرام کو مفید پایا۔ یہاں یہ بات بھی نوٹ فرمائی جائے کہ نیویارک نیوجرسی میں تنظیم اسلامی حلقہ خواتین بھی بہت سرگرم ہے، جس میں بیشتر رفقاءِ تنظیم

اسلامی کی رفیقاتِ حیات شامل ہیں۔ ان کا ماہانہ اجتماع بھی ہمارے کسی دعوتی یا تنظیمی اجتماع کے دوران اسی جگہ علیحدہ سے ہوتا ہے۔

ہماری تنظیم میں ماہ دسمبر ۹۳ء سے ماہانہ اعانتیں باقاعدہ وصول کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ اب تک تقریباً ۱۲ رفقاء باقاعدگی سے اپنی اعانتیں ادا کرتے ہیں۔ اوسطاً ۹۰۰ ڈالرز کی ماہانہ اعانتیں وصول ہوتی ہیں، جس کا ایک تہائی مقامی ضروریات کے لئے رکھ لیا جاتا ہے جبکہ بقایا دو تہائی مرکز (شکاگو) کو ارسال کر دیتے ہیں۔ حال ہی میں مقامی تنظیم کا بینک اکاؤنٹ کھلوا لیا گیا ہے، جو امیر مقامی تنظیم اسرار خاں صاحب، ابراہیم لونت صاحب اور راقم کے ناموں سے آپریٹ (operate) ہو سکے گا۔ مئی ۱۹۹۴ء سے یہ ذمہ داری ابراہیم لونت صاحب نے باقاعدہ سنبھالنے کا وعدہ کیا ہے۔

یہاں میں چند رفقاء کی انفرادی کوششوں کا ذکر بھی کروں گا۔ برادر ڈاکٹر منظور شیخ صاحب شعبۂ طب سے وابستہ ہیں اور عرصہ ۲۰ سال سے امریکہ میں مقیم ہیں۔ ۱۹۸۹ء میں بیعت کی اور اس وقت سے آپ کا نام بیرون ملک تنظیم اسلامی کے رابطے کے ضمن میں "فہرست کتب و کیسٹ" وغیرہ پر شائع ہوتا رہا ہے۔ اس عرصہ میں بہت محتاط اندازے کے مطابق آپ کے ذریعے سے کم و بیش ڈیڑھ دو ہزار آڈیو کیسٹس مختلف موضوعات پر لوگوں کو مہیا ہوئیں۔ آپ نے حال ہی میں ۔/۸۷۰ ڈالر کی مالیت کا ایک آڈیو کاپیئر تنظیم کے شعبہ مکتبہ و نشر و اشاعت کو ہبہ کیا ہے۔ اس سے متعلقہ شعبہ کی کارکردگی میں خاطر خواہ اضافہ ہو سکے گا۔ برادر عبد الخالق ہمارے نوجوان اور جذبہ سے سرشار رفیق ہیں۔ آپ نے دو سال قبل "ندائے اسلام" سوسائٹی کے تحت احمد دیدات اور امیر محترم ڈاکٹر صاحب کا لٹریچر (خاص طور سے ویڈیوز) لوگوں تک وسیع پیمانے پر پہنچانے کا پراجیکٹ شروع کیا ہے۔ موصوف کی اب زیادہ توجہ ڈاکٹر صاحب کے لٹریچر پر ہے۔ آپ نے ان دو سالوں میں قریباً ۴۰۰۰ آڈیوز (جن میں ۱۰ سیٹ دورۂ ترجمہ قرآن کے شامل ہیں) اور اس کے علاوہ ۴۰۰ کے قریب ویڈیوز (جن میں ۸ دورۂ ترجمہ قرآن کے سیٹ شامل ہیں) لوگوں کو فراہم کئے ہیں۔ برادر عبد الخالق کا تعاون ہمیں ہمارے حال ہی میں قائم کردہ شعبہ نشر و اشاعت کو بھی حاصل ہے۔ شعبۂ مکتبہ و نشر و اشاعت کا ناظم برادر اظہر گیلانی صاحب کو مقرر کیا گیا ہے، جو بڑے

محنتی اور پُر جوش کارکن ہیں۔ ان سے بڑی امیدیں ہیں۔ آپ نے ایک طرف تو مکتبہ کو organize کرنا شروع کیا ہے۔ دوسری جانب مقامی طور پر شائع ہونے والے کمیونٹی کے اخبارات اور جرائد سے بھی رابطہ کیا ہے۔ چنانچہ اردو ٹائمز میں امیر محترم کے ایک مضمون بسلسلہ رمضان المبارک کی اشاعت کے بعد اب خطابِ جمعہ کے پریس ریلیز باقاعدہ شائع ہو رہے ہیں۔

تنظیمی سرگرمیوں اور ضرورتوں کے حوالے سے ہم اس وقت جہاں ہیں اس کے پیش نظر عنقریب ہمیں دفتر کی ضرورت پیش آ رہی ہے۔ چنانچہ محترم امیر اسرار خاں کی ذاتی کوششوں سے امید ہے کہ جلد ہی یہ دفتر میسر آ جائے گا اور ان شاء اللہ ہمیں کام بہتر کرنے میں مدد ملے گی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہمیں امید ہے کہ دھیمی رفتار سے چلنے کے باوجود ان شاء اللہ ہم نیویارک میں شمالی امریکہ کے لئے اسلام کی انقلابی دعوت کا ایک مرکز قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

رفقاء کی اجتماعات میں باقاعدہ شرکت اور بڑی حد تک اعانتوں کی ادائیگی تو دو دل خوش کن پہلو ہیں، لیکن نظم کے حوالے سے ایک امر جس کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی جا سکی ہے وہ رفقاء کی ماہانہ رپورٹ کی بروقت وصولی اور شکاگو مرکز کو رپورٹ کرنا ہے۔ اب حال ہی میں اس کمی کی طرف زور دیا گیا ہے اور امید ہے کہ ان شاء اللہ عنقریب اس میں بہتری کی صورت ہو جائیگی۔

محترم امیر جناب اسرار خاں صاحب ایک اعلیٰ تعلیم (MBA) اور عملی انتظامی تجربہ رکھتے ہیں اور انہیں جناب عارف ضیاء جیسے منتظم اور محرک کی معاونت بھی حاصل ہے، تاہم بیعت کی بنیاد پر کسی نظم کو چلانا ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب تک یہ معاملات بڑے ہموار جارہے ہیں اور مقامی سطح پر رفقاء مطمئن ہیں کہ ہم مناسب رفتار سے اپنی منزل کی طرف رواں ہیں۔ راقم کو اگرچہ یہاں معتمد کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں لیکن میرا تاثر یہ ہے کہ اس ذمہ داری کے لئے عنقریب انگریزی اور اردو میں مناسب استعداد رکھنے والے رفیق کی ضرورت پڑے گی۔ راقم انگریزی زبان سے نابلد ہے، اور اردو سے واجبی سی واقفیت ہے۔ اس کا اندازہ آپ کو اس رپورٹ سے ہو گیا ہو گا۔

اب تک اگر کچھ حاصل ہو پایا ہے تو اس میں خالص اللہ کا فضل ہے۔ رپورٹ پڑھنے سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اس میں رفقاء کے عمومی تعاون کے علاوہ اہم ترین حصہ امیر نیویارک نیوجرسی تنظیم کے ایثار و قربانی کا ہے۔ تنظیم کو مقامی سطح پر منظم کرنے اور اس کا اسٹرکچر بنانے میں مرکز (شکاگو) بالخصوص امیر TINA جناب عطاء الرحمٰن کا ذکر سب سے زیادہ ضروری ہے۔ ان کی پر شفقت نگرانی اور مشوروں کے بغیر یہ سب کچھ ممکن نہ تھا۔ آپ اپنی Job کی معروفیت اور پورے شمالی امریکہ میں TINA کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ جس مستعدی کے ساتھ ہماری رہنمائی فرماتے رہے ہیں وہ معجزانہ حد تک حیران کن ہے۔ ہماری یہ خوش قسمتی ہے کہ ہمیں محترم اسرار خاں صاحب اور محترم عطاء الرحمٰن صاحب جیسے سرپرست میسر آئے‘ چنانچہ ہمیں چاہئے کہ اس نعمت سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔"

رپورٹ حلقہ خواتین نیویارک‘ نیوجرسی

مرتبہ : شاہدہ عباسی

" تنظیم اسلامی حلقہ خواتین نیویارک نیوجرسی کا قیام ۹ اور ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو ٹورنٹو کینیڈا میں منعقد ہونے والے کل شمالی امریکہ اجتماع میں ہوا۔ چونکہ اس اجتماع کے موقع پر محترمہ ناظمہ صاحبہ بھی موجود تھیں چنانچہ ان کی کوششوں سے شمالی امریکہ میں تنظیم کے حلقہ خواتین کو منظم کرنے کا موقع ملا اور اس کی توسیع بھی ہوئی۔ اس اجتماع میں نیویارک سے چھ مرد رفقاء نے شرکت کی‘ جن میں سے تین کے اہل خانہ بھی ساتھ تھے۔ نیویارک سے شرکت کرنے والی تینوں خواتین نے بیعت کی‘ جن کے نام یہ ہیں:- بیگم اسرار خاں‘ بیگم عبدالخالق اور بیگم اظہر جیلانی۔ ان میں سے بیگم اظہر جیلانی نہایت پرجوش خاتون ہیں جنہوں نے چند سال قبل عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی۔ محترمہ ناظمہ صاحبہ نے بیگم اسرار خاں کو حلقہ خواتین نیویارک نیوجرسی کے لئے ناظمہ مقرر

کیا۔ بیگم اسرار خاں نے نیویارک واپسی پر آتے ہی دعوت و تبلیغ کے سلسلے کا آغاز اپنے گھر، رشتہ داروں اور عزیزوں سے شروع کردیا۔ ایک جانب جس طرح انہوں نے پردہ کا اہتمام کیا وہ ہم سب کے لئے ایک مثال ہے۔ اس طرح یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر انسان ہمت کرلے تو آج اس ماحول میں یہاں امریکہ میں رہتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنا ممکن ہے۔ دوسری ایک اور اہم مثال ہم سب کے لئے یہ قائم کی کہ سود جیسی برائی سے بچنے کے لئے اپنا جہاز جیسا بڑا اور آسائشوں سے پر گھر چھوڑ کر ایک چھوٹے سے گھر میں منتقل ہونے میں اپنے شوہر کا بھرپور ساتھ دیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کے تقاضوں کی خاطر اس طرح قربانیاں دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

حلقہ خواتین کا اجتماع ماہانہ ہوتا ہے۔ دسمبر ۹۳ء سے اب تک کل تین اجتماعات ہوئے ہیں۔ اب تک یہ تین اجتماع بیگم عبد الخالق، بیگم اسرار خاں اور بیگم ڈاکٹر منظور شیخ کے گھر پر ہوئے۔ ان شاء اللہ ایک چوتھا اجتماع بیگم ممنون احمد مرغوب کی رہائش گاہ پر ہو رہا ہے۔ ان اجتماعات کی تفصیلی رپورٹیں لکھنے اور مرکز کو بھیجنے کے علاوہ تمام رفیقات کو ارسال کرنے کی ذمہ داری اب تک میں (شاہدہ عباسی) نے نبھائی ہے۔ ان پروگراموں میں اب تک محترمہ ناظمہ مقامی حلقہ خواتین کے خطاب اور درس ہوئے ہیں، جن میں سے پہلا درس باطنی برائیوں کو دور کرنے سے متعلق تھا۔ اس کے بعد قرآن کریم کے منتخب نصاب کے سلسلہ وار درس شروع کئے گئے۔ چنانچہ سورۃ العصر اور آیۂ بر کے درس سے خواتین نے استفادہ کیا۔ وہ انتہائی محنت سے یہ درس تیار کرتی ہیں۔ آپ کے سمجھانے کا طریقہ بھی بہت ہی آسان ہے۔ محترمہ زمانہ طالب علمی میں مقررہ رہ چکی ہیں اور ان کی یہ صلاحیتیں اب دین کی دعوت و تبلیغ میں کام آرہی ہیں۔ اجتماعات میں اس کا بھی خیال رکھا جاتا ہے کہ دوسری بہنوں کو بھی بولنے کی مشق ہو۔ ان اجتماعات میں وہ رفیقات جن کے شوہر بھی تنظیم اسلامی کے رفیق ہیں ان کی حاضری سو فیصد رہی۔ اس کے علاوہ میزبانوں کی جانب سے مدعو کی ہوئی دیگر مہمان خواتین بھی موجود ہوتی ہیں۔ یہ اجلاس عموماً شام کے وقت منعقد کئے جاتے ہیں جو تقریباً تین گھنٹے جاری رہتے ہیں۔ چنانچہ رات کے طعام کا انتظام بھی میزبان

کرتے ہیں۔ ان محفلوں کی ایک خاص بات یہ ہے کہ خواتین درس کے بعد بھی آپس میں سنجیدہ گفتگو کرتی ہیں اور زیادہ تر مذہب اور دین کی باتیں ہی ہوتی ہیں۔ اس طرح ایک دوسرے سے سیکھنے سکھلانے کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ اس کے علاوہ پردے کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں مرد حضرات کی طرف سے بھی پورا تعاون حاصل ہے۔

تنظیم اسلامی نیویارک نیوجرسی کے حلقہ خواتین کا آغاز اکتوبر ۹۳ء میں صرف تین خواتین سے ہوا تھا۔ الحمدللہ رفیقات کی تعداد اب بڑھ کر ۱۸ ہو گئی ہے۔ ان میں سے آٹھ خواتین وہ ہیں جن کے شوہر حضرات تنظیم اسلامی کے پہلے سے رفقاء ہیں جب کہ دو رفیقات نے اپنے شوہر حضرات کے ہمراہ تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی۔ نئی شامل ہونے والی رفیقات میں سے محترمہ ناظمہ مقامی حلقہ خواتین کی کوششوں سے ان کے عزیزوں اور رشتہ داروں میں سے کل ۷ خواتین نے بیعت کی۔ بیگم ممنون' بیگم عبدالخالق اور میری (شاہدہ عباسی کی) ایک ایک عزیزہ نے بیعت کی۔

جن رفیقات نے تنظیم اسلامی میں شمولیت کی ہے ان کی انفرادی زندگی میں بھی مثبت اثرات پیدا ہونے شروع ہوئے ہیں۔ خاص طور سے ستر و حجاب کے سلسلے میں جن بہنوں میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی ہے ان میں خود ناظمہ صاحبہ کے علاوہ بیگم اقبال صدیقی اور بیگم ڈاکٹر منظور شیخ شامل ہیں۔ جبکہ راقمہ (شاہدہ عباسی)' بیگم ممنون احمد مرغوب اور رما زیدی پہلے سے پردے کا اہتمام کرتی ہیں۔ اس طرح اب حلقہ خواتین میں سے چھ رفیقات کسی نہ کسی درجہ میں پردے کا اہتمام کرتی ہیں۔ میرے خیال میں امریکہ میں خواتین کے پردہ کرنے پر مشاہدات اور تجربات پر تفصیل سے لکھا جانا چاہئے۔ میرے نزدیک امریکہ میں رہ کر گھر سے باہر پردہ کرنا تو پاکستان سے بھی زیادہ آسان ہے' خاص طور سے جن کی یہاں فیملی (رشتہ دار خاندان) نہیں ان کے لئے پردہ کرنے میں بہت آسانی ہے' لیکن اصل امتحان فیملی میں ہوتا ہے جہاں سب سے زیادہ مخالفت ہوتی ہے۔ اس لئے بیگم اسرار خاں اور بیگم اقبال صدیقی خاص طور سے مبارک باد کی مستحق ہیں جن کی تمام فیملی یہاں موجود ہے لیکن انہوں نے پھر بھی بہت ہمت سے پردے کو اختیار کیا ہے۔

اب میں چند چیزوں کا ذکر کروں گی جن کی طرف ابھی توجہ کی ضرورت ہے۔ چونکہ ہم

نے تنظیم اسلامی کی بیعت اپنے دینی فرائض کو پورا کرنے کے لئے کی ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہمیں اس کا پورا علم ہو اور اس کے بعد جو چیزیں ہمارے علم میں آجائیں تو پھر ان پر عمل کی کوشش بھی کی جائے۔ اسی سلسلے میں تنظیم اسلامی کی جانب سے ہر رفیقہ کے لئے ایک تربیتی تنظیمی نصاب مقرر کیا گیا ہے' جس کی ایک ماہانہ رپورٹ نظم کو جانی چاہئے۔ ہمارے حلقہ میں ابھی تک اس طرف توجہ نہیں دی جا سکی۔ اسی طرح اگرچہ حلقہ کی تقریباً تمام رفیقات ہی گھریلو خواتین ہیں پھر بھی اپنے جیب خرچ سے کچھ نہ کچھ اعانت تنظیم کو جانی چاہئے۔ ابھی مقامی سطح پر نہ تو رفیقات نے اس سلسلے میں کوئی وعدہ کیا ہے اور نہ ہی اس کی وصولی اور مرکز تک بھیجنے کا انتظام ہو سکا ہے۔

جولائی میں امیر محترم جناب ڈاکٹر صاحب کی امریکہ میں متوقع آمد پر ہمارے لئے تعلیم اور تربیت کا موقع میسر آئے گا' چنانچہ ہمیں اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہئے اور ہم لوگوں کو اپنا وقت ابھی سے نکالنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اب تک کم از کم سات رفیقات نے اپنے شوہر حضرات کے ہمراہ اس تربیتی پروگرام میں شرکت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ اس سے ہماری تنظیم کی صورت حال مزید بہتر ہو گی اور رفقاء حضرات کو تنظیمی مصروفیات کے سلسلے میں ان کی اہل خانہ رفیقات کی جانب سے آئندہ اس تعاون میں مزید اضافہ ہو گا۔ اسی طرح رفقاء حضرات سے بھی یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ رفیقات کی تعلیم و تربیت اور تنظیمی سرگرمیوں کے سلسلے میں مددگار ثابت ہونگے اور ان کی حوصلہ افزائی کریں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بیعت کے تقاضوں کو پورا کرنے والا بنائے اور ہمارے اندر وہ حقیقی تبدیلیاں پیدا ہوں جو کہ اسلام ایک مسلمان خاتون میں دیکھنا چاہتا ہے۔ آخر میں یہ درخواست اپنی سب بہنوں سے کروں گی کہ اب ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ ہمارے اندر وہ تبدیلی پیدا ہو کہ جسے دیکھ کر ہماری اور مسلمان بہنیں بھی ہمارے ساتھ رفیق سفر بنیں۔ آپ سب لوگ میرے لئے بھی دعا کریں۔"

☆☆☆

حلقہ متحدہ عرب امارات کے زیر اہتمام

ابوظبی میں سہ روزہ تربیت گاہ کا انعقاد

مرتب : ابوطارق

حلقہ متحدہ عرب امارات کے زیر اہتمام ایک سہ روزہ تربیت گاہ مورخہ ۲، ۳ اور ۴ فروری ۹۴ء کو ابوظبی مرکز میں منعقد کی گئی جس میں امارات میں مقیم رفقاء نے شرکت کی۔

تربیت ہر انقلابی عمل کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ تنظیم اسلامی پاکستان میں اسلامی انقلاب کے لئے کوشاں ہے اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام قائم کرنا چاہتی ہے۔ ظاہر ہے اس کام کے لئے کارکنوں کی تربیت نہایت ضروری ہے۔ اگر کارکن غیر تربیت یافتہ ہوں، کچے اور خام ہوں تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ اسلامی انقلاب کے مراحل میں آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔

تو خاک میں مل اور آگ میں جل، جب خشت بنے تب کام چلے
اِن خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ، تعمیر نہ کر!
خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہوجائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تو

۲ فروری بروز بدھ بعد نماز عصر تربیت گاہ کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ نظامت کی ذمہ داری جناب شاہد اسلم صاحب نے سنبھالی۔ آپ نے امارات بھر سے آئے ہوئے رفقاء کا خیر مقدم کیا اور تربیت گاہ کے پروگراموں کی تفصیل بتائی۔ پہلا سیشن تنظیم کے ذمہ داران کے لئے مخصوص تھا، جس میں ان کی شرکت لازمی تھی، جبکہ دوسرے رفقاء کو اجازت تھی کہ وہ بھی اس میں شریک ہو سکتے ہیں۔ اس سیشن سے جناب مشتاق حسین صاحب سابق امیر تنظیم اسلامی شارجہ نے بعنوان "نقباء کی ذمہ داریاں" خطاب کیا۔ آپ نے اپنے خطاب کا آغاز قرآن حکیم کی آیات اور سیرت نبوی ﷺ کے حوالے سے کیا۔ آپ نے نقیب کی ذمہ داریوں کے ضمن میں بتایا کہ تنظیم اسلامی کے ڈھانچے میں سب سے بنیادی اور فیصلہ کن ذمہ داری نقیب اسرہ کی ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ نقباء کے مناسب حد تک فعال اور متحرک ہونے پر ہی تنظیم کی پیش رفت کا اصل انحصار ہے۔ آپ نے نقیب اسرہ کی ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اپنے اسرہ میں شامل رفقاء کے

ذاتی اور خاندانی حالات سے باخبر رہنا اور ایک سربراہ خاندان کے مانند رفقاء کی ذاتی اور خانگی مسائل میں دلچسپی لینا، ضروری رہنمائی فراہم کرنا اور حتی الامکان تعاون کی صورتیں پیدا کرنا، رفقاء کی علمی اور عملی تربیت اور ترقی کی نگرانی کرنا، ان کی دعوتی مساعی کا جائزہ لینا اور ان کے پیش آمدہ مسائل و مشکلات کا حل تجویز کرنا وغیرہ ہے۔

نماز مغرب کی ادائگی کے بعد سے عشاء تک اور پھر عشاء کے بعد بھی رفقاء نے امیر محترم کے خطاب کی ویڈیو کیسٹ بعنوان "تنظیم اسلامی کا منشور" بڑے غور اور انہماک سے مشاہدہ کی۔ اس کے بعد طعام کا وقفہ ہوا۔

اب ایک دلچسپ مذاکرہ ہونے والا تھا جس میں تمام حاضرین کو شرکت کرنی تھی۔ محترم جناب امجد علی نیر صاحب نے چند سوالات، جن سے اکثر و بیشتر تنظیم کے رفقاء کو اپنے حلقہ احباب اور گرد و پیش میں رہنے والوں کی طرف سے سابقہ پیش آتا رہتا ہے، مرتب کئے تھے اور وہ خود ہی اس مذاکرہ کے میزبانی کے فرائض بھی انجام دے رہے تھے۔ سوالات محنت سے تیار کئے گئے تھے۔ رفقاء نے ان کے جوابات بہت ذوق و شوق سے اپنی اپنی ذہنی سطح کے مطابق دیئے۔ لیکن وقت کی کمی کے باعث ان سوالات کے جوابات پر مختلف پہلوؤں سے پوری طرح روشنی نہیں ڈالی جا سکی، جس سے ایک تشنگی کا احساس باقی رہا۔

نبوی طریق تزکیہ و تربیت میں قیام اللیل کی بہت اہمیت ہے۔ چنانچہ رفقاء کو ان تربیتی پروگراموں میں اس عنصر پر خاص تشویق و ترغیب دی جاتی ہے۔ محترم جناب سعید احمد صاحب نے قیام اللیل کی اہمیت بہت خوش اسلوبی سے اپنی حیدر آبادی شیریں زبان میں بیان کی۔ یہ آج کی نشست کا آخری موضوع تھا۔

۴ فروری :- قیام اللیل اور فجر کی نماز کے بعد محترم جناب اشفاق ندیم صاحب نے دنیا کی حقیقت کے عنوان سے سورۃ القصص کی آیات کا درس احسن طریقہ سے دیا۔ پھر اشراق، ناشتہ اور آرام کا وقفہ ہوا۔

صبح ساڑھے نو بجے سے دوپہر ۱۲ بجے تک ایک اور مذاکرہ منعقد کیا گیا۔ اس میں بھی رفقاء نے دلچسپی اور یکسوئی سے حصہ لیا۔ اس پروگرام میں قرارداد تاسیس مع توضیحات کا محترم جناب شاہد اسلم صاحب نے اجتماعی مطالعہ کروایا اور افہام و تفہیم کی غرض سے مختلف نکات کی بڑے دلنشین انداز میں تشریح و توضیح کی۔ اس نشست کا آخری موضوع "التزام جماعت و لزوم بیعت" تھا۔ اس موضوع کو بیان کرنے کی ذمہ داری جناب محمد اشرف ابو فاروق صاحب کی تھی جنہوں نے یہ ذمہ داری خوب اچھی طرح نبھائی۔

اس دن کی تیسری نشست بعد عصر جناب محمد صدیق اعوان صاحب کے درس قرآن سے

شروع ہوئی۔ آپ نے سورۃ الزمر کی آیات کے حوالے سے توبہ کی اہمیت اجاگر کی۔ اس کے بعد دوسرا موضوع "دعوت الی الایمان بالقرآن" تھا۔ جناب غلام ربانی شاہ صاحب نے سورۂ طٰہٰ کی آیات تلاوت کیں اور ان کو موضوع گفتگو بنایا۔ غلام ربانی شاہ صاحب درویش سیرت انسان ہیں' دنیوی علوم کے علاوہ دینی علوم پر بھی گہری نظر ہے۔ آپ کی گفتگو میں قدیم و جدید علوم کا حسین امتزاج ہوتا ہے۔ انداز بیان نہایت دھیما' دلکش اور دل میں اتر جانے والا ہے۔ مغرب کا وقت ہو گیا تو شاہ صاحب نے اپنی گفتگو کو سمیٹا اور مغرب کی نماز کا وقفہ ہوا۔ بعد نماز مغرب محترم جناب محمد سرفراز احمد چیمہ صاحب کو حقیقت نفاق پر آدھ گھنٹے کے لئے دعوت خطاب دی گئی۔ آپ نے اپنے موضوع کے ساتھ پورا انصاف کیا اور نفاق کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ ان کے بعد اب بدر الدین عبداللہ صاحب کی باری تھی۔ آپ بڑا دینی جذبہ اور شوق جہاد رکھنے والے ہیں۔ العین میں ہفتہ وار درس قرآن کے علاوہ تجوید قرآن کے استاذ بھی ہیں۔ آپ کی تقریر کا عنوان "انقلابی تربیت کا نبوی طریق کار" تھا۔ آپ نے تربیت و تزکیہ محمدی ﷺ کے عناصر سہ گانہ یعنی ۱۔ انقلابی نظریات کا استحضار اور انقلابی جذبہ کی آبیاری بذریعہ تلاوت قرآن ۲۔ مجاہدۂ نفس بذریعہ عبادات بالخصوص قیام اللیل اور ۳۔ مخالفت اور ایذا پر صبر و استقامت پر روشنی ڈالی۔

عشاء کی نماز اور طعام کے بعد محترم جناب منیر احمد صاحب نے سورۃ المائدہ کی آیات کے حوالے سے "فریضہ نہی عن المنکر" پر خطاب کیا۔ آپ کی تقریر بہت مدلل اور مربوط تھی۔ محنت اور تیاری موضوع کا پورا احاطہ کئے ہوئے تھی۔ سامعین میں تقریر بے حد پسند کی گئی۔ فضائل قرآن پر جناب ریاض احمد صاحب نے گفتگو کی۔ آپ کی گفتگو میں کام کرنے کا جذبہ اور کچھ کر گزرنے کا عزم تھا۔ اسی موضوع پر یہ نشست اختتام پذیر ہوئی۔

ابوظہبی میں ہر جمعرات کو بعد نماز عشاء دو مساجد میں درس قرآن ہوتا ہے۔ تدریس کی ذمہ داری مقامی رفقاء ادا کرتے ہیں' لیکن آج یہ خدمت مہمان رفقاء کو سونپی گئی۔ شارجہ سے آنے والے جناب محمد سلیم احمد صاحب اور احمد رضا خان برکی صاحب نے اس خدمت کو احسن طریقہ سے ادا کیا اور ان مساجد میں درس قرآن دیا۔ چند رفقاء ان کی معیت میں روانہ کئے گئے۔

تنظیم الاخوان پاکستان کے بانی مولانا ملک محمد اکرم صاحب اعوان آج کل متحدہ عرب امارات کے دورہ پر تشریف لائے ہوئے ہیں۔ آج بعد نماز عشاء ابوظہبی کے مرکز ثقافتی پاکستان میں ان کے خطاب کا پروگرام تھا۔ ابوظہبی میں تنظیم الاخوان کے سرگرم رکن جناب محمد صدیق اعوان صاحب اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ بعد نماز عصر جمعیت کے دفتر میں تشریف لائے تھے۔ جمعیت کے ذمہ داران نے ملاقات کے دوران اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ مولانا کا ایک خطاب یہاں جمعیت کے دفتر میں بھی ہو۔ یہ دعوت قبول کی گئی۔ چنانچہ اگلے روز بعد عصر جمعیت کے دفتر

میں ملک محمد اکرم صاحب اعوان اپنے رفقاء کے ہمراہ تشریف لائے اور خطاب فرمایا۔ بعد میں ایک مختصر سی سوال جواب کی نشست بھی ہوئی۔ ملک اعوان صاحب کا خطاب سننے کے لئے چند رفقاء مرکز ثقافتی پاکستان ابوظہبی بھی گئے۔

رات کے پچھلے پہر میں گہری نیند سویا ہوا تھا کہ اچانک ایک آواز سے آنکھ کھل گئی۔ ایک رفیق بلند آواز سے وہ مسنون دعا پڑھ رہے تھے جو نبی اکرم ﷺ نیند سے بیداری کے وقت پڑھا کرتے تھے۔ رفقاء نیند سے بیدار ہو رہے تھے اور یہی الفاظ ان کے لبوں پر بھی تھے: "الحَمدُ لِلّٰہ الذی اَحیانا بَعدَ ما اماتنا وَالیہِ النشور" — مرکز میں پانی کی قلت کے سبب رفقاء نے قریب کی مسجد کی طرف قیام اللیل کے لئے رخ کیا۔

۴ فروری:۔ بعد نماز فجر آخری دن کی نشست کا آغاز شاہد اسلم صاحب نے رمضان المبارک کی آمد کی مناسبت سے سورۃ البقرہ کی آیات کی تلاوت سے کیا جس میں روزہ کی فرضیت اور غرض وغایت بیان ہوئی ہے۔ محترم جناب ناصر بھٹی صاحب نے جو کہ تنظیم اسلامی کے اٹھارہویں سالانہ اجتماع میں شریک رہے تھے، اپنے تاثرات و مشاہدات بیان کئے۔ اس کے بعد غلام ربانی شاہ صاحب نے اپنے وہ تاثرات بیان کئے جو انہوں نے اپنی سالانہ چھٹیوں کے دوران لاہور میں قرآن اکیڈمی، قرآن کالج اور تنظیم اسلامی کے مرکز گڑھی شاہو میں دورہ کرنے اور مرکزی مجلس مشاورت میں بطور مبصر شرکت کے دوران محسوس کئے تھے۔ "لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم" کے مصداق گفتگو طویل ہوتی رہی، لیکن ناشتہ تیار ہونے کی اطلاع پر ناشتے کے لئے وقفہ ہوا۔ ٹھیک آٹھ بجے مجلس کی کارروائی پھر شروع ہوئی۔ اس مجلس میں حلقہ متحدہ عرب امارات میں تنظیم کے کام کی اجمالی رپورٹ پیش کی گئی۔ اس کے بعد شارجہ اور ابوظہبی کے امراء نے اپنی اپنی تنظیموں کا جائزہ پیش کیا۔ ۸:۲۰ بجے استحکام پاکستان کے موضوع پر محترم جناب شاہد قریشی صاحب کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ آپ نے دھیمے اور تفہیمانہ انداز میں استحکام پاکستان کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی اور ثابت کیا کہ پاکستان کے استحکام کی واحد بنیاد اسلامی نظام کا قیام ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی عامل، چاہے وہ تاریخی ہو، جغرافیائی ہو، لسانی ہو یا قومیت کی اساس پر مبنی ہو، اس کی بنیاد نہیں بن سکتا۔ لہٰذا پاکستان میں اسلامی نظام کو قائم کرنا پاکستان کی اشد ضرورت ہے۔ ہم اپنی بداعمالیوں سے آدھا پاکستان تو گنوا ہی چکے ہیں اور اگر یہی لیل و نہار رہے تو خاکم بدہن یہ پاکستان بھی باقی نہیں رہے بچے گا۔

اب حالات حاضرہ پر جناب قمر حسن صاحب کو تبصرہ کرنا تھا، لیکن آپ کی آمد میں کچھ تاخیر ہو گئی۔ چنانچہ رفقاء نے میر غیاث الدین صاحب سے علامہ اقبال کی مشہور نظم "خودی کا سِرِّ نہاں لا

الہ الااللہ " سنانے کی فرمائش کر دی۔ میر صاحب نے اپنی مترنم آواز میں اس نظم کو پڑھ کر محفل کو گرما دیا۔ اس دوران قمر حسن صاحب تشریف لا چکے تھے۔ آپ نے تقریباً آدھا گھنٹہ عالمی حالات پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔ دنیا کے گلوب پر جو واقعات و حالات وقوع پذیر ہو رہے ہیں' خاص طور پر بوسنیا ہرزگووینا' کشمیر' صومالیہ اور الجزائر میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے اس کا منظر اور پس منظر بیان کیا۔ آپ نے کہا کہ اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان ان حالات سے سبق سیکھیں اور اپنے رب کی طرف رجوع کریں' قرآن کو مضبوطی سے تھامیں اور اس کو اپنا امام و رہبر بنائیں۔ یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے' اس سے چمٹ جائیں' یہی ہمیں آپس میں جوڑنے اور اتحاد کا ذریعہ بن سکتا ہے اور ہماری مشکلات و مصائب کا حل ہے۔

اس کے بعد رفقاء و احباب کا باہمی تعارف ہوا۔ دو احباب نے تنظیم اسلامی میں شمولیت کا اعلان کیا۔ باقی احباب نے تنظیم کے ساتھ نیک خواہشات کا اظہار کیا اور اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ ہم ان کے اس تعاون کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ان مجالس میں شرکت فرما کر ان مجالس کو رونق بخشی اور ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔ ہم امید کرتے ہیں کہ وہ جلد ہی اس قافلے میں شامل ہو کر تنظیم کے اعوان و انصار بنیں گے۔

۱۰ منٹ کے وقفہ کے بعد اس تربیتی پروگرام کی آخری نشست شروع ہوئی۔ اس میں امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تنظیم اسلامی کے اٹھارہویں سالانہ اجتماع کے موقعہ پر اختتامی خطاب کی ویڈیو کیسٹ دکھائی گئی۔ یہ خطاب ایک گھنٹہ ۵۵ منٹ پر مشتمل تھا' لیکن نماز جمعہ کی تیاری کی وجہ سے مکمل نہیں دیکھا جا سکا۔ بہرحال اس میں رفقاء کے لئے واضح پیغام اور آئندہ کے لئے ہدف سامنے آگئے۔ امیر محترم نے فرمایا کہ ہر رفیق کو چاہئے کہ وہ "سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا حال ماضی اور مستقبل" نامی میری کتاب کا بنظر غائر مطالعہ کرے اور اس کو سمجھنے اور ذہن نشین کرنے کی پوری کوشش کرے۔ اس کے علاوہ تنظیم اسلامی کی مطبوعات اور مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی کتاب "دعوت دین اور اس کا طریق کار" کا از سر نو مطالعہ کیا جائے۔ موجودہ حالات میں ضرورت ہے کہ عزم نو کے ساتھ معاشرے میں "دعوت الی الایمان بالقرآن" دی جائے' قرآن حکیم کی آیات بینات کا مدلل اور پرجوش ابلاغ کیا جائے' دروس قرآن' کارنر میٹنگز اور خطابات منعقد کئے جائیں اور زیادہ زور انفرادی رابطہ پر دیا جائے۔ دروس قرآن اور خطابات کے آڈیو / وڈیو کیسٹس اور کتب زیادہ سے زیادہ لوگوں میں پھیلائی جائیں۔ اپنے حلقہ احباب اور لوگوں کو تنظیم میں شمولیت کی دعوت دی جائے' نظم کی پابندی کی جائے' نقیب اسرہ' مقامی امیر اور ناظم حلقہ کی اطاعت کی جائے۔ تمام رفقاء کے لئے لازم ہے کہ تحریک خلافت کے فارم پر کر کے اس میں شمولیت اختیار کریں۔

☆☆

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

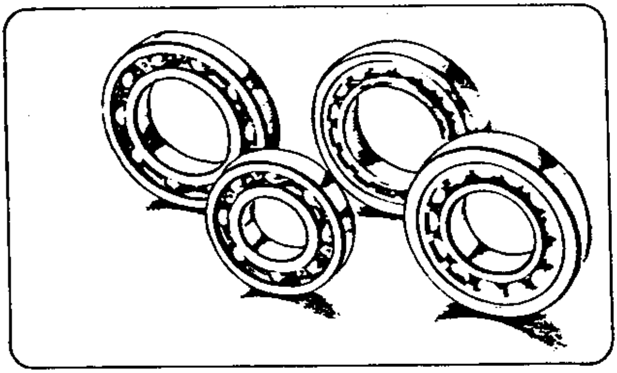

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : **(Opening Shortly)** — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000, Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

REG. No. L. 7360
Vol. 43. No. 5
May 1994.

پاکستان کا سب سے زیادہ فروخت ہونے والا

جوہر جوشاندہ

فلو، نزلہ، زکام اور گلے کی خراش کا مؤثر علاج

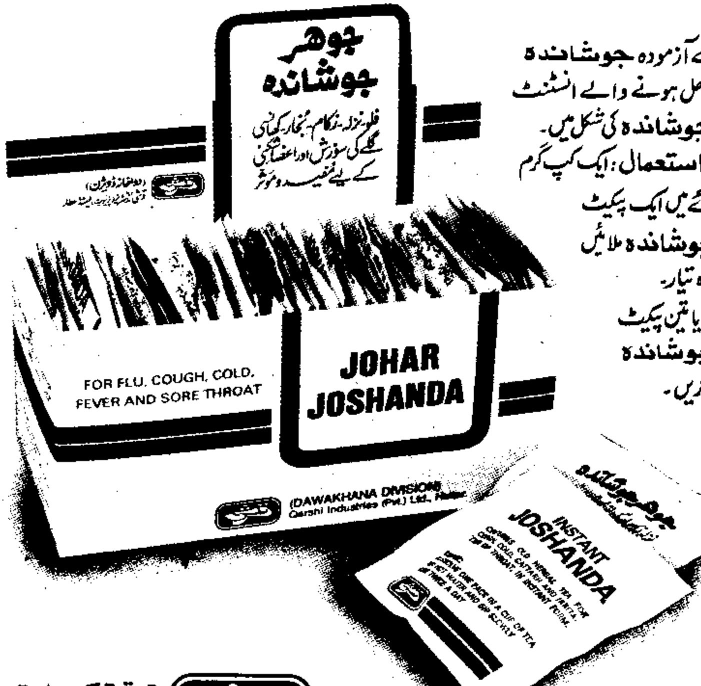

صدیوں سے آزمودہ جوشاندہ
اب فوری حل ہونے والے انسٹنٹ
جوہر جوشاندہ کی شکل میں۔
ترکیبِ استعمال: ایک کپ گرم
پانی یا چائے میں ایک پیکٹ
جوہر جوشاندہ ملائیں
اور جوشاندہ تیار۔
دن میں دو یا تین پیکٹ
جوہر جوشاندہ
استعمال کریں۔

تحقیق کی روایت
معیار کی ضمانت

آسان استعمال
مؤثر علاج